69 Alhaaqqah Makky Aayaath 52

سورۃ الحاقۃ

(مکیہ ہے اور اس میں (۵۲) آیتیں ہیں)

ماقبل سے ربط سورۂ قلم میں قیامت کا اجمالی بیان آچکا ہے یہاں اس دن کی اہمیت بیان فرمائی جارہی ہے۔ نیز قریش کی ایذاؤں کا ذکر ہوا تھا۔ یہاں امم سابقہ کی تکذیب دین اور اس کے نتائج تبلائے جارہے ہیں تاکہ قریش اور دوسرے تمام اعدائے دین آگاہ ہوجائیں کہ حق کے مقابلہ میں باطل کی ساری قوتیں ہیچ ہیں۔ حق اپنی پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہوکر رہیگا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ باطل خیالات کو دل سے نکال دیں اور دین حق جو اسلام ہے اس کے حلقہ بگوش ہوجائیں۔ وباللہ التوفیق۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درپے رہا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کے تعرض کے خیال سے نکلا تو دیکھا کہ آپ مجھ سے پیشتر ہی مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں پہنچ چکے ہیں۔ اور نماز میں سورۂ حاقہ کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا تو

اس سورت شریفہ کی نظم و ترتیب نے کچھ عجب تاثیر دکھائی۔ دل میں کہنے لگا بخدا
یہ شاعرانہ کلام ہے۔ آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔ وماھو بقول شاعر قلیلا
ما تؤمنون۔ یہ شاعرانہ کلام نہیں ہے، تم لوگ بہت کم یقین لاتے ہیں۔" یہ سن کر
کہنے لگا کہ اس میں کاہنوں جیسی پیشین گوئیاں ہیں، لہذا یہ کہانت ہے۔ ساتھ ہی آپ نے
یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون۔ اور نہ یہ کسی
کاہن کا کلام ہے۔ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔" یہیں سے اسلام کی حقانیت کا
خیال میرے دل میں جاگزیں ہوا۔ (حضرت امام احمدؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَآقَّۃُ ۙ مَا الْحَآقَّۃُ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّۃُ ۝ وہ ثابت 69-1 69-2 69-3

ہوچکنے والی کیا ہے وہ ثابت ہوچکنے والی، اور آپ کو کچھ سوجھا کہ کیا ہے وہ ثابت
ہوچکنے والی۔"

الحاقّۃ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الحاقّۃ من اسماء
یوم القیامۃ۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) حاقّۃ، روز قیامت کے ناموں میں سے
اس کا ایک نام ہے۔" اس اعتبار سے اس کے معنی دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

قتادہ فرماتے ہیں:۔ الساعۃ احقت لکلّ عامل عملہ۔ (عبدالرزاق عبدبن حمید ابن المنذر، حاکم) حاقّہ سے مراد ساعتِ قیامت ہے جو ہر کام کرنے والے کے لئے اس کا عمل ثابت کر دکھائیگی" اور ابن جریج نے فرمایا:۔ حقّقت لکلّ عامل عملہ للمومن ایمانہ وللمنافق نفاقہ۔ (ابن المنذر) ہر عمل کرنے والے کو اس کا عمل ثابت کر دکھانے والی مومن کے لئے اس کے ایمان کو اور منافق کے لئے اس کے نفاق کو ثابت کر دکھانے والی" یعنی ساعت قیامت کا نام حاقّہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ ساعت موعودہ وقوع پذیر ہو کر نہ صرف اپنے وجود کو متحقق اور ثابت کر دکھائیگی بلکہ دنیا میں جس جس شخص نے جو جو کام کئے ہیں ہر ایک کے ہر کام کو علی رؤس الاشہاد ثابت کر دیگی جس کے بعد کسی منکر کو انکار کی مجال نہ ہو سکیگی۔ مومن کا ایمان، اور منافق کا نفاق، اسی طرح کافر و مشرک کا کفر و شرک، سب کچھ ثابت و متحقق ہو جائے گا۔ کیونکہ جب وہ آنیوالی ساعت خود ثابت و متحقق ہو گی تو اس کے لوازم یعنی اعمال کا حساب و کتاب، ان کا وزن بے کم و کاست، اور اس کی ٹھیک ٹھیک جزا و سزا بھی اس کے ساتھ ساتھ ثابت ہو کر رہیگی۔ سبحان اللہ! ایک کلمہ الحاقّہ اپنے اندر کیا کچھ وسعت رکھتا ہے کہ ساری کائنات، از آدم تا ایں دم، اور ان کے جملہ اعمال، افعال، اقوال نیک و بد ان کا حساب اور وزن و پیمائش، طول، عرض، گہرائی، ان کی تاثیر اور عواقب و نتائج

پھران کی جزاوسزا' جنت و دوزخ' سب کا سب اس میں داخل وشامل ہے۔اس طرح کہ کوئی چیزاس سے خارج اور چھوٹنے والی نہیں۔اسی سے قرآن کریم کی جامعیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔اسی لئے دوبارہ ارشاد ہورہا ہے:۔

ما الحاقّۃ کی تفسیر وہ ثابت ہوچکنے والی کیا ہے؟ یعنی کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ اس کی حقیقت وماہیت کیا ہے؟ یعنی ایّ شیئ ھی فی حالھا وصفتھا۔وہ ہے کیا چیزجس کا حال اوروصف یہ ہے؟ قیامت جس کا وعدہ اللہ سبحانہ نے فرمایا' اورجس کا نشان کتب سماویہ نے بتلایا' اورجس کی خبرتمام انبیا ورسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام نے دی۔جس کو بہت کم لوگوں نے مانا اوراس کا یقین کیا۔اوربہتیرے تو اس کے منکرہی رہے۔بعید ازعقل سمجھا۔پھرجنھوں نے مانا ان کا علم اسی قدرہے کہ وہ ایک ساعت ہے' مانا کہ وہ ساعت پچاس ہزاربرس کے برابرہوگی مگرہے ساعت' اورظاہرہے کہ "ساعت" ایک معمولی جزوہے زمانہ کا۔اورخود زمانہ غیرقارالذات ہے' جس کی ذات کوقرارنہیں۔ ؎

زمانہ ہے کہ گزراجارہا ہے

یہ دریا ہے کہ بہتا جارہا ہے

لہٰذا زمانہ اپنی ذات کے اعتبار سے کیا ہے؟ اس بحث کو رہنے دیجئے۔ صرف اس ساعت قیامت کے احوال اور اوصاف ہی کم از کم بتادیجئے کہ کیا ہوں گے؟ اور کیسے ہوں گے؟ انسان ضعیف البنیان کیا بتائے جب کہ ملائکہ مقربین نے اعتراف کرلیا:۔ سبحانک لاعلم لنآ الّا ما علّمتنا۔ آپ کی ذات' ہر ناموزوں نامناسب امر سے پاک ہے' ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں بجز اس شمّہ کے جس کی تعلیم ہم کو آپ نے دی۔' بہرحال حآقّہ بہت ہی عظیم الشان ساعت ہے جو اور ساعات کی طرح نہیں۔

وما ادرٰىك ما الحآقّة کی تفسیر

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ۔ اور آپ کو کچھ سوجھا کہ کیا ہے' وہ ثابت ہو چکنے والی۔' یہ مزید استفسار ہے کہ اس کی عظمت کس درجے کی ہے اور کیا شان اپنے اندر رکھتی ہے' کیا اس کا کچھ علم ہو سکا؟ سوچو' سمجھو اور بوجھو۔ اس تمام کد و کاوش کے بعد اس کی عظمت و شان جتنی کچھ بھی ذہن میں آئے اس استفسار ثانی سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ حآقّہ کی عظمت و شان انسانی سمجھ بوجھ سے بہت ہی بالاتر ہے۔ اب خیال کیجئے کہ یہ ساعت جو اللہ سبحانہ کی ایک مخلوق ہے اس کی صفت اور حال کا اندازہ' انسان نہیں کر سکتا تو خالق کی عظمت و شان کو انسان کیا پہچانے؟ اسی لئے عرفائے کاملین نے فرمایا ما عرفناک حقّ معرفتک

آپ کی شناخت جیسی کچھ ہونی چاہیے ہم سے نہ ہو سکی :۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ما ہمچنیں در اول وصف تو ماندہ ایم

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں خطاب اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے لیکن مقصود عام ہے یعنی نوع انسانی یا تمام افراد بنی آدم مراد ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

اس ساعت قیامت کی عظمت و شان کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے چند قیامت خیز واقعات کا بیان نمونہ اور مثال کے طور پر فرمایا جا رہا ہے۔ ارشاد ہے :۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کوٹ ڈالنے والی (ساعت) کو۔ 69-4

قوم ثمود و عاد کی تکذیب | یعنی قوم ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی امت تھی اور قوم عاد جو حضرت ہود علیہ السلام کی امت تھی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دور میں اس کوٹ ڈالنے کی ساعت قیامت کو جھٹلایا جس کے حق ہونے اور یقینی طور پر آنے کی اطلاع ان بزرگ پیغمبروں نے دی تھی۔ ان بزرگوں نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ دنیا میں لوگ جو کچھ عمل کرتے ہیں ان کے حساب و کتاب اور

سزا و جزا کے لئے ایک ساعت مقرر کی گئی ہے، وہ ساعت کھڑکھڑاتی ہوئی نہایت دھماکو
حالت میں رونما ہوگی، اس کے شور سے کان پھٹتے اور دماغ پاش پاش ہوتے دکھائی
دیں گے، وہ ہر چیز کو کوٹ پیس کر رکھ دینے والی ہوگی۔ اس کے آگے انسان کی کیا
بساط ہے سماوات جو تمام عالم پر محیط ہیں پھٹ جائیں گے، تمام سیارے اور ثوابت
بے نور ہو جائیں گے، ان کی یہ روشنی اور چمکاہٹ بالکلیہ جاتی رہیگی، ساری زمین
زلزلے کے مارے تھراتی ہوگی اور یہ عالیشان پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر ہوا میں اُڑتے رہینگے۔

ایک تمثیل اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ کسی عہدہ دار سے کسی امر عظیم کے متعلق جواب
لینا ہوتا ہے تو اس کا موجودہ اختیار و اقتدار ختم اور اس کے عہدے سے
اس کو معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا کوئی اثر کسی پر قائم نہ رہ سکے۔ اور اس کی حیثیت
کالعدم من الناس ہو جائے۔ اب ہر شخص میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے متعلق
جو کچھ بیان دینا ہو موافق یا مخالف، بغیر کسی روک ٹوک اور بغیر کسی جھجک اور
پس و پیش کے آزادانہ طور پر دے سکے۔ انسان بھی اس دنیا میں خلیفۃ اللہ بنا کر
دنیا کے سب سے بڑے اونچے منصب پر فائز کر کے بھیجا گیا تھا۔ اور ساری کائنات کو
اس کا مسخر و تابع فرمان بنایا گیا تھا۔ اب جبکہ اس سے حساب کتاب کا وقت آیا اور
سزا و جزا کا موقع درپیش ہوا تو اس کے دائرۂ اختیار کو اس طرح تہ و بالا کر دیا جائیگا کہ

دوسرے تمام ماتحتین یہاں تک کہ کائنات کا ہر ہر ذرہ اس کے متعلق جو بیان دینا ہو آزادی کے ساتھ دے سکے۔ بلکہ اوسی کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، ناک اس کے خلاف گواہی دے سکیں گے۔

قوم ثمود و عاد کا انجام قوم ثمود اور عاد نے اپنے پیغمبروں کی ان شفقتانہ باتوں کو یاد نہ کیا جو انہیں کی آگاہی کے لئے قبل از قبل سنائی گئی تھیں اور ان کی تعلیمات کو ماننے کی جگہ جھٹلایا تو اس کا جو انجام ہوا سنایا جا رہا ہے۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ پھر جو ثمود تھے وہ ہلاک 69-5

کردئے گئے اچھال کر۔"

طاغیہ کی تفسیر حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ارسل اللّٰہ علیهم صیحة واحدة فاهمدتهم فاهلکوا۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان پر ایک دھماکو آواز بھیجدی جس نے ان سب کو ڈھیر کردیا اور سب کے سب ہلاک و برباد کردئے گئے۔" کہتے ہیں کہ حکم الٰہی سے ان پر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور نہایت زور سے چیخ کر کہا موتوا۔ تم سب مرجاؤ اور ہلاک ہوجاؤ۔" یہ ایسی زبردست آواز تھی کہ اس سے زلزلہ آگیا اور اس آواز کے ساتھ زمین کی ہر ہر چیز کی آواز بطور صدائے بازگشت سنائی دی۔ یہ یک دم ایسی خوفناک صورت میں ظاہر ہوئی کہ اس سے سننے والوں کے

کان پھٹ گئے اور دماغ پاش پاش ہوگئے۔ اتنی ہیبتناک آواز کبھی کسی کے سننے میں نہ آئی تھی۔ اسی وجہ سے اس کو طاغیۃ کہا گیا ہے کہ دوسری تمام آوازوں سے بہت ہی بڑھی ہوئی جس کی حد کو اور کوئی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔

تطبیق درمیان طاغیہ وصیحہ ورجفہ

قوم ثمود کی ہلاکت کے اسباب میں یہاں تو طاغیۃ کا لفظ آیا ہے یعنی حد سے بہت بڑھی ہوئی۔ کہیں ارشاد ہوا ہے: — فاخذتھم الصیحۃ۔ ان کو ایک زبردست چیخ نے گرفتارِ عذاب کر لیا" اور کہیں یوں ارشاد ہوا ہے: — فاخذتھم الرجفۃ۔ ان کو زلزلہ اور کپکپی نے پکڑ لیا" مطلب ان تینوں ارشادات کا ایک ہی ہے کیونکہ قوم ثمود کی ہلاکت کا ایک ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کہیں ہلاکت کے سبب قریب کا بیان ہوا اور کہیں سبب بعید کا۔ جامع تقریر یوں ہے کہ زوردار چیخ سے زمین میں زلزلہ آ گیا اور اس سے ساری قوم تباہ ہوگئی۔ بہرحال ان تینوں ارشادات میں مغائرت اور منافات نہیں ہے بلکہ ایک قول سے دوسرے کی تائید و تفسیر ہو رہی ہے۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ 69- 6
سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ 69- 7

ع الحسم ازالۃ اثر الشیٔ یقال قطعہ فحسمہ ای ازال مادتہ وبہ

اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ○ اور وہ جو عاد تھے 69-8

برباد ہوئے سناٹے کی ٹھنڈی ہوا سے نکلی جا رہی تھی ہاتوں سے مقرر کر دیا اس کو ان

سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگاتار پھر آپ دیکھیں کہ وہ لوگ اس میں ایسے پچھڑ

گئے گویا وہ پیڑ ہیں کھجور کی کھوکھلی پھر کیا آپ دیکھ سکتے ہیں ان میں سے کوئی بچا ہوا

تنبیہ | عاد و ثمود کا قصہ یا دیگر امم سابقہ کے واقعات جو قرآن کریم میں

بدفعات بیان ہوئے ہیں اگرچہ نفس واقعہ ایک ہی ہے لیکن ان کے بعض بعض اجزا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سمی السیف حساما وحسم الداء ازالۃ اثرہ بالکی وقیل للشوم المزیل الاثر منہ نالہ حسوم قال تعالی ثمانیۃ ایام حسوما قیل حاسما اثرھم وقیل حاسما خبرھم وقیل قاطعا لعمرھم وکل ذالک داخل فی عمومہ۔ (مفردات)
کسی شے کا اثر زائل کر دینے کو حَسْم کہتے ہیں۔ محاورہ ہے: ـ قطعه فحسمه یعنی اس کو کاٹ ڈالا پھر اس کے مادے کو زائل کر دیا۔ تلوار کا نام حسام بھی اسی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ حسم الداء کے معنی بھی یہی ہیں کہ داغ دیکر بیماری کے اثر کو دور کر دیا۔ نحوست کو بھی حسوم کہتے ہیں کہ وہ کسی کو لگتی ہے تو اس کا نام و نشان مٹا کر چھوڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ ثمانیۃ ایام حسوما۔ نحوست والے آٹھ دن (جو قوم عاد کا نام و نشان مٹا کر رہے)۔ اس کے معنی کسی مفسر نے یوں کئے کہ ان کا اثر مٹا دیا۔ کسی نے کہا ان کی خبریں آنا بند ہو گئیں اور کسی نے کہا ان کی عمروں کا سلسلہ کٹ گیا۔ یہ تینوں معانی سابقہ معنی عام میں داخل ہیں۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ اسی قصہ میں بعض آیات کریمہ میں بجائے حُسُوماً کے یوم نحس مستمر اور فی ایام نحسات آیا ہے یہ اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بطور خاص کسی مناسبت و موزونیت کی بنا پر ذکر کئے جاتے ہیں۔ اگر ان تمام اجزاء کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو پورے قصے پر تفصیل سے روشنی پڑتی ہے۔ اس کو تکرار بیان تصور نہ کیا جائے بلکہ ہر موقع پر جو جزو بطور خاص بیان ہوا ہے اس پر نظر رکھی جائے تو تکرار کا تصور پیدا نہ ہوگا۔ اگرچہ تکرار بیان بھی تاکید وغیرہ فوائد سے خالی نہیں۔ یہاں جس جزو خاص کا بیان ہو رہا ہے وہ حسب ذیل ہے :۔

عاتیہ کی تفسیر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں :۔

لم تنزل قطرة من ماء الا بمكيال على يدى ملك الا يوم نوح فانه اذن للماء دون الخزان فطغى الماء على الخزان فخرج فذلك قوله انا لما طغى الماء ۔ ولم ينزل شئ من الريح الا بكيل على يدى ملك الا يوم عاد فانه اذن لها دون الخزان فخرجت فذلك قوله بريح صرصر عاتية عتت على الخزان ۔ (ابن جریر) مقررہ پیمانہ جو محافظ فرشتے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اس سے زاید پانی کی ایک بوند بھی کبھی اترنے نہ پائی مگر حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے دن یہ واقعہ پیش آیا کہ برسنے کا حکم راست طور پر پانی کو ہوا اس میں داروغۂ آبپاشی کا توسط نہ رہا تو پانی نے داروغہ کی ایک نہ مانی (اور اتنا زیادہ پانی برسا کہ سطح زمین سے کئی گز بلند ہو گیا) آیہ کریمہ انا لما طغى الماء

جو آگے آرہی ہے اس میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (اسی طرح) ہوا بھی جب کبھی چلتی ہے تو اس کا پیمانہ محافظ فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اس سے زائد ہوا نہیں آتی۔ مگر قوم عاد پر جس دن آندھی آئی تو اس کا حکم راست ہوا کے نام آیا۔ خازن ریح کا واسطہ نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خازن یا داوران کا پیمانہ ایک طرف رہ گیا (اور اس زور کی آندھی آئی کہ اس زور کا طوفان کبھی دیکھا نہ گیا) آیہ کریمہ بریح صرصر عاتیۃ میں اسی کی طرف ایما فرمایا جارہا ہے۔"

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ما انزل اللہ من السماء کفًّا من ماءٍ الا بمکیال ولا کفًّا من ریح الا بمکیال الا یوم نوح فان الماء طغی علی الخزّان فلم یکن لھم علیہ من سلطان قال اللہ تعالیٰ انا لمّا طغی الماء حملناکم فی الجاریۃ ویوم عاد فان الریح عتت علی الخزان قال اللہ بریح صرصر عاتیۃ قال الغالبۃ۔ (ابو الشیخ، دارقطنی، ابن مردویہ، ابن عساکر) آسمان سے چلو بھر پانی بھی برستا ہے تو اس کا ناپ ہوتا ہے اور چلو بھر ہوا بھی آتی ہے تو اس کا بھی ایک ناپ ہوا کرتا ہے مگر طوفان نوح کے دن پانی محافظ فرشتوں کی بات ایک نہ سن سکا اور نہ پانی پر محافظ فرشتوں کو کوئی قابو رہ سکا۔ چنانچہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جب پانی نے

(محافظ فرشتوں پر) سرکشی کی تو ہم نے تم سب مسلمانوں کو جہاز پر سوار کرا دیا۔ اسیطرح قوم عاد کی تباہی کے دن، ہوا نے محافظ فرشتوں سے سرکشی کی چنانچہ اللہ سبحانہ تعالی نے فرمایا۔ تیز و تند اور سرد آندھی آئی جو محافظین پر غالب آگئی۔"

حکم صرف اللہ جل جلالہ کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ساری کائنات میں صرف اللہ سبحانہ تعالی کی حکومت ہے۔ اسی کا حکم جاری و ساری ہے۔ فرشتے ہیں تو وہ تعمیل حکم میں لگے ہوئے ہیں۔ آب و باد ہے تو وہ بھی حکم الہی کے آگے مسخر و مقہور ہے پانی اور ہوا کو جب تک یہ حکم ہے کہ وہ محافظ فرشتوں کے تابع فرمان ہیں تو وہ ان کے حکم میں رہتے ہیں۔ اور جب پانی اور ہوا کو اللہ سبحانہ کا راست حکم پہنچتا ہے تو وہ اس کے حکم کے آگے اور کسی کی ایک نہیں مانتے۔ خواہ وہ ان کا حکمراں افسر اور محافظ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ نیز فرشتوں کو یا وصفیکہ قوت قاہرہ حاصل ہے۔ پانی اور ہوا ان کے تابع فرمان ہیں لیکن جب ان کو راست احکام پہنچ گئے تو اپنی پوری قوت دکھائی۔ جس کے آگے فرشتوں کی بھی نہ چل سکی۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے ان الحکم الا للہ۔ حکومت صرف اللہ سبحانہ کی ہے۔ اسی کا حکم جاری و ساری ہے"۔ لا ریب فیہ

قوم عاد کی تباہی بہرحال جب ہوا کو راست احکام وصول ہوئے تو آٹھ دن اور درمیان کی سات راتوں تک مسلسل اس زور کا طوفان باد آیا کہ عاد جیسی تازہ و توانا

قوم جو بہت اونچی، چوڑی چکلی قوم تھی تہس نہس ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ ہوا ہر ایک کے ایک منفذ سے داخل اور دوسرے سے خارج ہو جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس دوران میں پوری قوم کھجور کے کھوکھلے تنہ کی طرح ہو کر رہ گئی۔ بظاہر تو وہ اونچے پورے، موٹے تازے دکھائی دیتے تھے مگر اندر سے سب کچھ خالی تھا، اس عذاب سے ایک بھی نہ چھوٹ سکا۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ 69- 9

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اور آیا 69-10

فرعون، اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹ جانے والی بستیاں خطائیں کرتی ہوئی

پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا، پھر پکڑا ان کو پکڑنا سخت ''

قوم لوط اور قوم فرعون کی تباہی عاد و ثمود کی تباہی و بربادی کے بعد، فرعون آیا۔ یہ بھی بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگا۔ مصر کی حکومت اس کو کیا ملی کہ خدائی کے دعوے کرنے لگا۔ کہا کرتا: — الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی۔ کیا مجھے مصر کی سلطنت حاصل نہیں اور کیا یہ نہریں ہمارے تحت نہیں ہیں جو بہتی ہیں '' اسی بنا پر وہ کہتا تھا: — انا ربکم الاعلیٰ- میں تم سب کا رب اعلیٰ یعنی مالک علی الاطلاق ہوں '' اسی طرح فرعون سے پہلے

قوم نوحؑ بھی اور قوم شعیبؑ وغیرہ۔ اور اُلٹ جانے والی بستیوں سے قوم لوطؑ مراد ہے۔ ان سبھوں نے حکم الٰہی سے سرتابی کی۔ اور طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہوئے۔ ان کے پاس اللہ سبحانہ کے پیغمبر آئے' اللہ سبحانہ کا پیام پہنچایا۔ ہر طرح سود و بہبود کی باتیں سنائیں مگر نافرمانی کا بھوت' ان کے سروں پر سوار تھا۔ نافرمانی کرتے گئے۔ انجام یہ ہوا کہ جب معاملہ حد سے گزرا تو ان پر بھی گرفت کی گئی ایسی سخت گرفت کہ نہ قوم چھوٹ سکی اور نہ ان کے سردار۔ حتی کہ فرعون بھی گرفتار عذاب ہوا۔ ان سب اقوام کے واقعات نہایت عبرتناک ہیں۔

إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۙ لِنَجْعَلَهَا 69-11 69-12
لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ۝ ہم نے جس وقت پانی اُبلا
لا د لیا تم کو چلتی کشتی میں' تاکہ رکھیں اس کو تمہاری یاد دہانی کے واسطے اور یاد
رکھیں اس کو کان' یاد رکھنے والے "

طوفان نوح میں پانی کی طغیانی حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں جو طوفان آیا اور پانی کو جو طغیانی ہوئی اس کا کچھ حال ابھی ابھی دو چار آیات قبل قوم عاد کے عذاب کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں :—

لم ینزل من السماء قطرۃ قط الا بعلم الخزان الا حیث طغی الماء

فانہ غضب لغضب اللہ فطغی علی الخزان فخرج مالا یعلمون ماھو
(ابن المنذر ابوالشیخ) خزانۂ آب کے داروغہ کے بلا علم پانی کی ایک بوند بھی کبھی نہیں
اترنے پائی مگر پانی کی طغیانی کے موقع پر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ (نوح علیہ السلام کی
قوم پر) اللہ سبحانہ کا غضب ہوتے ہی پانی بھی غضبناک ہو گیا پھر ان داروغگان
کی بھی ایک نہ چل سکی۔ اتنا پانی نکل پڑا جس کی مقدار تک ان کو معلوم نہ ہو سکی"
کہتے ہیں کہ روئے زمین کی بلند ترین چیزوں سے پندرہ ہاتھ پانی اونچا ہو گیا
تھا۔ ادھر تو کفار پر یہ غضب تھا کہ کوئی متنفس بچ نہ سکا۔ بنی آدم کی تکذیب و
نافرمانی کے ضمن میں تمام نباتات، حیوانات بھی تباہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ اہل
ایمان پر یہ کرم ہوا کہ ان کو سفینۂ نوح میں سوار کرا لیا گیا۔ اور تمام جانوروں کا
ایک ایک جوڑا بٹھا لیا گیا۔ جن سے انسانوں کی ذریت اور حیوانات کی نسل چلی
حملناکم فی الجاریۃ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نے سفینۂ نوح
میں تمہارے آباء اجداد کو کیا سوار کرایا، دراصل اے اولاد آدم! جو زمان برکت نشان
سید الانس والجان علیہ صلوات الرحمان میں موجود تھے اور آپ کے بعد اب تک موجود
ہیں اور تا قیامت جو جو نسلیں آتی رہیں گی ان سب کو سوار کرا لیا کیونکہ بعد کے
ہر زمانہ کی نسل مومنین قوم نوح کی صلب میں تھی اور یہ مومنین کشتی نوح میں سوار تھے تو

نتیجہ یہی ہوا کہ ضمناً ہم سب بھی اس میں سوار تھے ۔ ایسے طوفان عظیم میں کشتی کا سلامت رہنا ایسا احسان عظیم ہے جس کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے ۔

مذکورہ واقعات یادگار رہیں

چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے :۔ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۔ تاکہ ہم اس واقعہ کو بلکہ جملہ واقعات کو تمہاری یاد دہانی کا ذریعہ گردا میں اور اس واقعہ کو یاد رکھنے والے بعض کان یاد رکھیں ۔" مطلب یہ کہ ان اہم واقعات کو تمام بنی آدم تو کیا یاد رکھیں گے ۔ یاد رکھنے والے ان میں چند ہی ہوں گے ۔ مگر ان میں کا ایک ایک ایسا ہوگا کہ یہ صدائے حق ہزاروں لاکھوں کروڑوں، اربوں، انسانوں تک پہنچا سکتا ہوگا ۔ جس سے مقصد بیان حاصل ہے ۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :۔ ان هذه القلوب اوعية فخيرها اوعاها ۔ (طبرانی عن ابن عمرؓ) یہ دل علم کی تھیلیاں ہیں ۔ ان سب میں بہتر قلوب وہ ہیں جن میں علم کے خزانے زیادہ محفوظ ہوں ۔" آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :۔ فلح من جعل الله له قلبا واعيا ۔ وہ کامیاب رہا جس کے دل کو اللہ سبحانہ نے یاد رکھنے والا بنایا ۔"

حضرت مولائے کائنات کی فضیلت

حضرت مکحول تابعیؒ سے روایت ہے کہ

آیہ کریمہ وتعیھا اذن واعیۃ نازل ہوئی تو حضرت رسول اکرم نے فرمایا:۔ سألت ربّی ان یجعلھا اذن علیّ

(سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) میں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ علی کے کان کو یاد رکھنے والے کان بنائے"۔ مکحول فرماتے ہیں میں نے سیدنا علیؓ سے سنا آپ فرمایا کرتے تھے:۔ ماسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً فنسیتہ۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی بات کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا پھر اس کو بھول گیا ہوں"۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا:۔ ان اللہ امرنی ان ادنیك ولا اقصیك وان اعلمك وان تعی وحق لك ان تعی۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم، واحدی، ابن مردویہ، ابن عساکر، ابن النجاری) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب رکھوں، دور نہ کروں اور تم کو تعلیم دوں اور تم اسکو یاد رکھو، اور تم پر لازم ہے کہ یاد رکھا کرو"۔ خود حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بھی اسی مضمون کی حدیث شریف مروی ہے۔

گوش شنوا کی فضیلت بہر حال مومن کا فریضہ ہے کہ دین کی باتوں کو توجہ سے سُنے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال نہ دے۔ جو کچھ سُنے اس کو خوب سمجھے اور یاد رکھے

اس میں غور و فکر کرتا رہے۔ وقت پر اس کی بموجب عمل کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔
تعلیم کا مقصد بھی یہی ہے۔ اسی سے علم کی اشاعت ہوتی ہے۔ اگر سیکھنے سکھانے کا یہ طریقہ
چھوڑ دیا جائے تو علم ضائع ہوگا اور جہل پھیل جائیگا۔ خوب یاد رکھو کہ جہل موت ہے۔

مذکورہ واقعات نمونۂ قیامت

اللہ سبحانہ نے جن واقعات کو قابل یادگار فرمایا ہے مثلاً
طوفان نوح کا واقعہ۔ اگر ایسے واقعات کو پیش نظر رکھا
جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے تو منشائے الٰہی کی تعمیل و تکمیل کا اجر ملیگا۔
اور امن و امان برقرار رہیگا۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کے مماثل یا اس سے بڑھکر
کوئی اور واقعہ درپیش ہو۔ اہل ایمان کو اس سے ڈرنا چاہیئے۔ عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ پند را اذنے بباید واعیہ
گر نبودے گوشہائے غیب گیر وحی ناوردے ز گردوں یک بشیر

خلاصہ یہ کہ یہ چند واقعات امم ماضیہ کے ہیں جو امت مرحومہ کی نصیحت کیلئے
سنائے گئے۔ عاد و ثمود کا واقعہ ہو یا قوم فرعون و قوم لوط اور قوم شعیب کا یا طوفان
نوح کا۔ یہ سب واقعات قیامت کا ایک معمولی سا نمونہ ہیں۔ رہا خود قیامت کا واقعہ
جس کو یہاں حاقّہ کے نام سے یاد فرمایا گیا ہے اس کا حال سنایا جاتا ہے:۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ 69-13 69-14

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ وَانْشَقَّتِ 9-15
السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ 9-16
عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۭ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ 9-17
لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ پھر جب پھونک دیا جائے ایک دم صور، زمین 9-18
اور پہاڑ اٹھا کر دفعتاً چورا کردے جائیں، پھر اس دن ہو پڑے گی وہ ہونے والی،
اور پھٹ جائے آسمان، پھر وہ اس دن بودا ہو جائے، اور فرشتے ہوں گے اس کے
کناروں پر، اور اٹھائیں گے تخت آپ کے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ (فرشتے)
اس دن پیش کیے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات۔"

نفخ صور کی تفسیر

حاقّہ یعنی متحقق ہونے والی اور وقوع میں آنے والی ساعت جس کی نسبت ابتدائے سورت میں استفسار فرمایا گیا اور اس کی حقیقت دریافت کی گئی تھی، ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دو دفعہ تاکید کے ساتھ، اس کو کون بیان کر سکتا ہے، خود اللہ سبحانہ اس کی حقیقتِ حال اور عظمت و شان بیان فرما رہے ہیں تاکہ قیامت کی تکذیب کرنے والوں کے کان کھول دیے جائیں۔ ارشاد ہوا ہے کہ وہ ایک ساعت عظیمہ ہوگی جس میں صور پھونکا جائے گا۔

نفخۃ واحدۃ کی تفسیر

"صور" کیا ہے، ایک قرنہ یعنی سینگ ہے یا ایک

بگل سمجھو۔ نور سے بنا ہوا جس کی وسعت ساتوں آسمانوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس میں سوراخ ہوں گے اتنے، جتنے تمام بنی آدم کی تعداد ہے۔ اس کو اللہ سبحانہ کے حکم سے حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ یہ پہلی پھونک ہے ایسی زبردست کہ آفرینش عالم سے قیام قیامت تک ایسی پھونک کسی کے دیکھنے سننے میں نہ آئی ہوگی۔ گویا قوم ثمود پر جو عذاب "صیحہ" یعنی چیخ کی صورت میں نمودار ہوا تھا اور جس سے تمام قوم ہلاک و برباد ہوئی تھی وہ اس صور قیامت کا ایک ادنیٰ سا نمونہ تھا۔ یہ ہے تفسیر فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ کی۔ یعنی جب پھونکا جائے صور میں ایک بار پھونکنا"۔

دکۃ واحدۃ کی تفسیر

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً۔ اور اٹھائی جائے زمین اور پہاڑ، پھر کوٹ دئے جائیں یکبارگی کوٹنا"

یعنی اس پھونک سے جو ہوا آندھی اور آواز ہوگی اس سے تمام سننے والے یکبارگی چیخ اٹھیں گے، پھر زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک دوسرے سے ٹکرا جائینگے۔ یہ ٹکر زمین اور پہاڑوں کی۔ یہ بھی ایسا سانحہ ہوگا کہ نظام عالم جب سے قائم ہے ایسا سانحہ نہ کبھی دیکھا گیا اور نہ کسی کے سننے میں آیا۔ البتہ قوم عاد پر جو عذاب ریح یعنی طوفان باد آیا تھا جس سے ایسے تنا ور عظیم الجثہ انسان ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و تاراج ہوئے تھے اس کو قیامت کی اس ٹکر کا ایک معمولی سا نمونہ قرار دیا جائے تو

اور بات ہے۔ قوم عاد کے طوفان میں انسان اور ان کی سواریاں فضا میں پتنگوں کی طرح اڑتی تھیں تو قیامت کے نفخ صور میں ساری زمین اور پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑتے، آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہوتے نظر آئیں گے۔ زمین اور بڑے بڑے پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو ان کے درمیان بے چارہ انسان ضعیف البنیان اور حیوانات پر کیا گزرے گی اس کا تصور کر لیا جائے۔

قوم لوط کی ہلاکت نمونۂ قیامت

اسی طرح قوم لوط کی بستی الٹ دی گئی تھی۔ قریۂ سدوم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حکم الٰہی سے اپنے پروں پر اٹھائے ہوئے آسمان کے قریب تک لیجا کر پھر اس کو الٹ کر نیچے کی جانب دے مارا تھا۔ مؤتفکات جس کا بیان اسی سورت شریفہ میں اوپر گزرا اسی واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ وہاں تو صرف ایک دفعہ اور وہ بھی صرف قریۂ سدوم کی حد تک عمل ہوا تھا۔ قیامت میں ایسا معاملہ پوری روئے زمین پر پیش آئے گا۔ اللہ اکبر یہ کیسی ہولناک ساعت ہوگی۔ یوں سمجھئے کہ از آدم تا ایں دم جتنے ہولناک واقعات درپیش ہوئے قیامت میں وہ سب اکٹھے ہو کر پوری شدت اور خوفناکی کے ساتھ نمودار ہوں گے۔ جس کے مقابلہ میں دنیا بھر کے چیدہ چیدہ واقعات وحوادثات صرف مشتے نمونہ از خروارے کا مصداق ہوں گے۔

واقعہ کی تفسیر | فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۔پس اس دن وقوع میں آنیوالی وہ ساعت وقوع پذیر ہو جائے گی" جس کا بیان سُن کر لوگ انکار کرتے تھے طرح طرح کے شکوک وشبہات میں پڑے ہوئے تھے ۔اقسام کے اعتراضات کرتے تھے۔جس کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ اور اس کی تاریخ ووقت دریافت کرتے تھے ۔اس کے بیسیوں نمونے آنکھوں سے دیکھے' کانوں سے سُنے اور کتابوں میں لکھے تھے ۔اور جس کی پیشینگوئیاں صدہا رسول اور پیغمبروں نے بیان فرمادی تھیں مگر منکرین انکار ہی کرتے رہے اور ان بزرگوں کی باتوں پر یقین نہ کیا۔ پھر کیا ہوا جو واقعہ شدنی تھا وقوع پذیر ہو کر رہا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۔ اور پھٹ جائے آسمان' پھر وہ اس دن بودا ہو جائے "۔

وانشقت السمآء کی تفسیر | قیامت کا یہ اثر صرف زمین اور اہل زمین کی حد تک محدود نہیں ۔جب یہ زمین ہی نہ رہی اور زمین کی حالت دگرگوں ہو گئی تو اس آسمان کی بھی ضرورت باقی نہ رہی ۔ع این زمیں را آسمانے دیگر است ۔

یہ آسمان جو نہایت مضبوط اور پائدار نظر آرہا ہے ۔صدہا ہزارہا سال گزر جانے پر بھی اس کے نظام فلکی میں تغیر و زوال اور شکست و اضمحلال کے آثار نظر نہ آتے تھے آج وہ بالکل بوسیدہ اور پارہ پارہ نظر آئے گا۔ نہ یہ چاند' نہ سورج' نہ یہ

سیارگان اور نہ ثوابت، نہ یہ طلوع و غروب، نہ یہ اوقات و موسم۔ نہ یہ لیل و نہار نہ یہ سارے کاروبار۔ ع یہ سب تجھی پہ مٹیگے رہیگا تو باقی۔

وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۔ اور فرشتے ہوں گے اس کے کناروں پر اور اٹھائیں گے تخت آپ کے رب کا اس دن اپنے اوپر آٹھ۔"

انشقاق سماء کے بعد ملائکہ کا مقام

جب آسمان پھٹنے لگیں گے تو وہاں جو فرشتے متعین ہیں وہ کنارے ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ یہ ساعت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے قہر و جلال کی ہوگی۔ جیسا دنیا کا دستور ہے کہ حاکم یا بادشاہ غصہ اور غضب کی حالت میں ہو تو ماتحت لوگ کنارے ہو جاتے ہیں اور اسکی ہیبت سے خائف و لرزاں ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین نے ارجآئھا کی ضمیر ھا کا مرجع زمین کو قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ تمام فرشتے جو آسمانوں پر متعین ہیں ان کے پھٹ جانے کے بعد زمین کے کناروں پر آکر صف بستہ کھڑے ہوں گے اسی طرح سات آسمانوں کے ملائکہ کے سات حلقے سلسلے سے ہوں گے جو ایک کے پیچھے ایک کھڑے ہوئے ہوں گے۔ پہلا حلقہ سماء دنیا یعنی پہلے آسمان کے فرشتوں کا ان کے پیچھے دوسرے آسمان والوں کا۔ اسی طرح سلسلہ وار ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے

حلقے ہوں گے۔

حاملان عرش چار اور آٹھ اشخاص

حضرت ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یحملہ الیوم اربعۃ ویوم القیامۃ ثمانیۃ ۔(ابن جریر) عرش رب العالمین کو آج چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں فردائے قیامت میں اس کے حاملین آٹھ ہوں گے۔" حضرت میسرہ فرماتے ہیں:۔ ارجلھم فی التخوم ورؤسھم عند العرش لا یستطیعون ان یرفعوا ابصارھم من شعاع النور ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) ان فرشتگان حاملان عرش کے پاؤں زمین کے انتہائی حدود پر اور ان کے سر عرش کے پاس ہیں۔ عرش اعظم کی نورانی شعاعیں اتنی تیز ہیں کہ یہ فرشتے اوپر نظر تک نہیں اٹھا سکتے ہیں۔"

آٹھ کی تعداد کی حکمت

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:۔ ان للہ تعالی ملائکۃ یحملون العرش الذی ھو السریر علی کواھلھم الیوم اربعۃ وغدا یکونون ثمانیۃ لاجل الحمل الی ارض المحشر۔ اللہ سبحانہ کے کچھ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ تخت ہی ہے۔ جس کو وہ اپنے شانوں پر لئے ہوئے ہیں۔ آج تک تو ان کی تعداد چار ہے۔ اور کل فردائے قیامت وہ آٹھ ہوں گے۔ کیونکہ اس کو ارض محشر تک اس دن منتقل کرنا ہوگا۔" گویا ارض محشر میں

اس کو پہنچا یا جائے گا۔ تمام حساب وکتاب وہاں ہوگا۔ گویا چار کی جگہ آٹھ فرشتے جو عرش کو اٹھاتے ہوں گے اس کی غایت وحکمت یہ منتقلی ہوگی۔

مذکورہ بیان سے پایا جاتا ہے کہ حاملان عرش صرف آٹھ اشخاص ہیں۔ قرآن کریم کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔

حاملان عرش کی چار آٹھ صفیں

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ثمانیۃ صفوف من الملائکۃ لا یعلم عدتھم الا اللہ (ابن جریرؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتم) (عرش اعظم کے حاملین) فرشتوں (کے صرف آٹھ اشخاص نہیں بلکہ ان) کی آٹھ صفیں ہوں گی۔ جن کی گنتی اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا"۔ مطلب یہ ہوا کہ آج حاملان عرش کی جو تعداد چار ہے وہ بھی صرف چار اشخاص نہیں بلکہ فرشتوں کی چار صفیں ہیں۔ ان صفوں میں کتنے فرشتے ہیں ان کی گنتی بھی اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جب قیامت کا دن ہوگا تو چار کی جگہ آٹھ صفیں ہونگی۔

عرض فقیر

فقیر عرض کرتا ہے کہ ان دونوں تفسیروں میں اختلاف نہیں ہے اجمال وتفصیل کا فرق ہے۔ اصل حاملان عرش تو چار اور آٹھ ہیں وہی اس کے ذمہ دار اور مسؤل ہیں۔ باقی دوسرے فرشتے ان کے معین ومددگار وغیرہ ماتحتین ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں عرش اعظم کی عظمت وشان اور حاملان عرش کے باوقار ہونے کی طرف

اشارہ ہو رہا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لی جائے کہ قومی علم جہاں کہیں بلند کیا جاتا ہے تو اس کو راست طور پر اٹھانے والے تو امراء و وزراء ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بے شمار افراد اس کی ڈوریوں کو تھامے رہتے ہیں۔ اور اس اجتماع کثیر سے قومی نشان کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

حاملان عرش کی تسبیح شہر بن حوشب کہتے ہیں:۔ اربعة منهم يقولون سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك وار بعة يقولون سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك۔ ان آٹھ اشخاص یا صفوں میں سے چار کی تسبیح یہ ہوگی:۔ "اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے اور آپ ہی کی تعریف ہے اور ساری تعریف آپ ہی کی ذات کے لئے سزاوار ہے اس بنا پر کہ پوری طرح آپ کو قدرت حاصل رہنے کے باوجود عفو و درگزر آپ کا کام ہے" اور دوسرے چار یوں تسبیح پڑھتے ہوں گے:۔ "اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے اور آپ ہی کی تعریف ہے اور ساری تعریفیں آپ ہی کی ذات کے لئے سزاوار ہیں اس بنا پر بھی کہ سب کچھ جاننے کے باوصف آپ کا حلم ہمیشہ کارفرما رہتا ہے"

ایک اور روایت وہب بن منبہ فرماتے ہیں:۔ ليس لهم كلام الا قولهم قدسوا الله القوى الذى ملأت عظمته السماوات۔ ان کا کلام صرف

یہ ہوگا:۔۔۔ اللہ سبحانہ کی پاکی بیان کرو جو ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے جسکی عظمت شان تمام آسمانوں میں جاری و ساری ہے۔"

عرض فقیر ان دو روایتوں میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے۔ کوئی مہتم بالشان مہم درپیش ہوتی ہے اور غیر معمولی بار اٹھانا ہوتا ہے تو افسر اپنے ماتحتین سے کوئی گیت یا ترانہ پڑھنے کی فرمائش کرتا ہے۔ وہب بن منبہ کی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ افسر کا یہ حکم سن کر ماتحتین اس کا جواب دیتے ہیں اور اپنا ترانہ اور گیت گاتے ہیں۔ شہر بن حوشب کی روایت اسکی ترجمانی کر رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ۔ اس دن پیش کئے جاؤ گے چھپی نہ رہیگی تمھاری کوئی چھپی بات۔"

عدالت محشر کی پیشیاں ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت شفیع الانام علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:۔۔۔ يعرض الناس يوم القيامة ثلاث عرضات فاما عرضتان فجدال ومعاذير واما الثالثة فعند ذلك تطاير الصحف في الايدى فآخذ بيمينه وآخذ بشماله۔ (امام احمدؒ، عبد بن حمید، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) قیامت کے دن لوگ تین دفعہ (رب العالمین کے حضور میں) پیش ہوں گے، ان میں سے دو پیشیوں میں آپس میں مباحثہ اور عذر داریاں

رہیگی۔ رہی تیسری پیشی اس وقت اعمال نامے اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ جائینگے۔ انمیں سے صحیفۂ اعمال کوئی تو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا ہوا ہوگا اور کوئی اپنے بائیں ہاتھ میں "۔ یعنی اہل ایمان کے داہنے ہاتھ میں اور غیر مومن کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوگا اور ان تین پیشیوں میں عمر بھر کا حساب چکا لیا جائے گا۔ کوئی بات کسی کی چھپی ہوئی نہ رہیگی کھلی دریافت ہوگی۔ اور حق حق فیصلہ صادر ہوگا۔ رب العالمین پر تو تمام باتیں ہویدا ہیں تاہم سب کے سامنے مکمل دریافت ہوگی اور ہر ایک شخص اپنا کارنامہ اور اس کی جزا لکھی ہوئی دیکھ لیگا۔ اب کسی چون وچرا کی گنجائش نہ رہیگی۔

محاسبۂ اعمال اسی لئے سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ تاکید فرماتے رہتے تھے:۔

حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا فانہ ایسر لحسابکم وزنوا انفسکم قبل ان توزنوا وتجھزوا للعرض الاکبر یومئذ تعرضون لاتخفی منکم خافیہ۔ (ابن مبارک) تم خود اپنا آپ محاسبہ کیا کرو اس سے پیشتر کہ تم سے حساب طلب کیا جائے کیونکہ یہ صورت تمہارے حساب کے لئے موجب سہولت ہے۔ اور اپنے آپ کو میزان عدل میں تول لیا کرو اس سے پہلے کہ تم کو تولا جائے۔ اور بڑی پیشی کے لئے پہلے سے تیار رہو جس دن تمہاری پیشی ہوگی تو تمہاری کوئی بھی چھپی بات چھپی ہوئی نہ رہیگی "۔ حضرات صوفیہ کا دستور ہے کہ ہر روز جب وہ رات کو بستر پر

استراحت کے لئے آتے ہیں تو وہ دن بھر کے اپنے کارناموں پر نظر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ مطابق احکام تھے تو اس پر شکر کرتے اور آئندہ اس سے زیادہ پابندی کی توفیق چاہتے ہیں۔ اور جو کام مطابق احکام نہ تھے ان کی نسبت توبہ و انابت سے کام لیتے ہیں اگر وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں اور اگر حقوق الناس سے متعلق ہوں تو ان سے معافی چاہتے اور اس کی تلافی کی فکر کرتے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۝ 9- 19
9-20
اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ فِیْ جَنَّةٍ 9-21
9-22
عَالِیَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی 9-23
9-24
الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ اب جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہیگا لیجیے پڑھئے

عہ ھا تکون اسم فعل بمعنی خذ و یجوز مدّ الفها و یستعملان بکاف الخطاب و بدونها و یجوز فی الممدودۃ ان تستغنی عن الکاف بتصریف همزتها تصاریف الکاف فیقال ھاءَ للذکر و ھاءِ للمؤنث و ھاءُما و ھاءُم و ھاءُنّ و منه ھاؤم اقرؤا کتابیه۔ (محیط المحیط) ھا اسم فعل بھی ہوتا ہے بمعنی خذ اور اس کا الف ممدودہ بھی جائز ہے۔ پھر الف مقصورہ ہو یا ممدودہ ان کا استعمال کاف خطاب کے ساتھ

میرا کارنامہ میرا پختہ خیال تھا کہ یقیناً مجھ کو ملیگا میرا حساب اب وہ ہیں من ملنے

چین میں، بلند باغ میں، جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔ کھاؤ اور پیو مزے سے بدلا

اس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم گزرے ہوئے دنوں میں۔"

اہل ایمان کی مسرت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں ظَنَنتُ بمعنی

اَیقنتُ ہے یعنی مجھے یقین کامل تھا۔" اسی وجہ سے ہم نے اس کا ترجمہ "میرا پختہ

خیال تھا" کیا ہے تاکہ لفظی اور معنوی حیثیات دونوں اپنی جگہ قائم رہیں۔ بہر حال

جب مومن کو اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ مارے خوشی کے

پھولوں نہیں سمائے گا۔ اپنے اہل قرابت، دوست احباب اور جان پہچان والوں کو

اپنا کارنامہ یہ کہہ کر دکھاتا رہیگا کہ بھائی! لیجئے اس کو پڑھئے۔ مجھے پیشتر سے یعنی

دنیا میں رہتے تک یقین کامل تھا کہ قیامت کے دن مجھے اپنے کئے ہوئے اعمال کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور اس کے بغیر دونوں طرح ہوتا ہے۔ پھر ممدودہ کی صورت میں کاف سے

مستغنی بھی ہو جاتا ہے نیز اس کی گردان کاف کی طرح آتی ہے صیغہ مذکر ہو تو ھاءَ

مونث ہو تو ھاءِ، تثنیہ دونوں کا ھاءُما اور جمع مذکر ھاءُم اور جمع مونث ھاءُنَّ

آیہ کریمہ ھاؤُمُ اقرء وا کتابیہ اسی قاعدے کے مطابق ہے"۔ کذا فی مفردات

الراغب وغیرہا من کتب اللغۃ العربیہ۔

حساب چکانا ہے ۔آج وہ دن آگیا۔

غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا لقب غسیل الملائکہ ہے یہ لقب ان کو اس لئے ملا کہ ان کو فرشتوں نے آسمان و زمین کے درمیانی فضا میں لیجا کر غسل دیا تھا۔جب وہ زمین پر لائے گئے تو ان کا جسم تر بتر تھا۔سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔غسل اس لئے دیا گیا کہ یہ غزوۂ احد میں بحالت جنابت شہید ہو گئے تھے۔ ان کی اس حالت کا علم کسی کو نہ تھا۔بعد کو ان کی بی بی سے یہ حال معلوم ہوا۔

شانِ ستاری و کرمِ الٰہی ان کے فرزند عبداللہ بن حنظلہ فرماتے ہیں کہ اعمال نامہ جن کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اُن میں ایسے بندے بھی شامل ہوں گے جن کو اللہ سبحانہ میدان محشر میں ٹھہرا کر اعمال نامہ کی پشت پر اس کی برائیاں جو لکھی ہوئی ہونگی ان کو دکھائے گا۔اور ایک ایک سے تنہائی میں فرمائیگا کیوں بندے! تو نے یہ کام کئے تھے۔وہ اقرار کرلیگا کہ ہاں پروردگار! مجھ سے یہ کام صادر ہوئے تھے۔اس پر رب العزت جل جلالہ کا ارشاد ہوگا:۔ انی لم افضحک بہ وانی قد غفرت لک (ابن ابی حاتم) دیکھ میں نے تیری فضیحت نہیں کی اور تجھے بخش دیا۔"

اس وقت وہ خوش ہو کر اپنا اعمال نامہ ایک ایک کو دکھاتا پھریگا۔"

ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں:۔ انّ المومن لیعطی کتابه فی ستر من الله فیقرأ سیئاته فیتغیر لونه ثمّ یقرأ حسناته فیرجع الیه لونه ثم ینظر فاذا سیئاته قد بدّلت حسنات فعند ذلك یقول هاؤم اقرأوا کتابیه۔ (ابن المبارک، عبد بن حمید، ابن المنذر، خطیب بغدادی) ایک ایک مومن کو اس کا اعمال نامہ اللہ سبحانہ کی طرف سے چپکے سے دیا جائیگا۔ مومن اس میں اپنی برائیاں پڑھیگا تو اس کا رنگ متغیر ہو جائے گا۔ پھر اپنی نیکیاں پڑھیگا تو اس کا اصلی رنگ لوٹ آئیگا۔ پھر وہ اپنے نامہ اعمال کو دیکھیگا تو اس کی برائیاں، نیکیوں سے بدلی ہوئی ہونگی اس وقت وہ کہیگا یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔"

پروانۂ جنت حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں:۔ لا یدخل الجنة الا بجواز بسم الله الرحمن الرحیم هذا کتاب من الله لفلان بن فلان ادخلوه جنة عالیة قطوفها دانیة۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ) پروانۂ جنت کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو سکیگا۔ اس میں لکھا ہوگا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، مکتوب ہذا اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے فلاں بن فلاں کے لئے۔ ان کو اونچے باغ میں داخل کرو جس کے میووں سے اس کی ڈالیاں جھکی ہوئی ہیں۔" جنت کے درختوں پر میوہ کی بہتات کا یہ حال ہوگا کہ ان کی شاخیں جھک

جھک جائیگی۔ اور جنتی سے اتنی قریب ہونگی کہ وہ اگر کھڑا ہوکر توڑنا چاہے تو آسانی سے اس کا ہاتھ میوے تک پہنچ سکیگا۔ بلکہ اگر بیٹھ کر یا لیٹے لیٹے ہی پھل توڑنا چاہے تو توڑ لے سکیگا۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم۔

عیشۃ راضیۃ کی تفسیر فِی عِیشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ میں راضیۃ بمعنی مرضیۃ ہے یعنی مومنین اپنے پسندیدہ عیش میں ہوں گے "یہ اس بنا پر ہے کہ مومن جب تک دنیا میں تھا اپنی پسند پر اللہ سبحانہ کی پسند کو ترجیح دیتا رہا۔ اور اپنی مرضی کو مرضیٔ الہیٰ کا تابع بنا رکھا۔ یہی معنی بندگی کے ہیں' یہاں بندے کی مرضی کچھ نہیں۔ بندہ وہی کرتا ہے جس میں مولیٰ کی رضا ہے۔ اُس کا ہر کام حکم الہیٰ کے تابع ہے۔ اس امتحان میں جب وہ پورا اترا تو آخرت میں اس کو یہ جزا ملیگی کہ وہاں وہ جو چاہیگا۔ اس کے مطابق عمل ہوتا رہیگا۔ لھم فیھا ما یشآؤن ولدینا مزید۔ ایمان والوں کے لئے جنت میں وہ سب کچھ مہیا رہیگا جس کو وہ چاہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی مزید عنایات وانعامات ملیں گے" بہر حال اللہ سبحانہ کا حکم یہ ہے کہ بندے! آج تو ہماری مرضی کا تابع بنا رہ۔ اور وہ کیا کر جو ہم چاہتے ہیں۔ کل ہم تیری تمام فرمائشات کی تکمیل کے لئے تیار ہیں بلکہ اس سے زیادہ دیتے رہیں گے۔ تیرا آج کا دن چند گھنٹوں کا ہے اس میں ہماری بات سن لے۔ کل کا دن کبھی ختم ہونیوالا نہیں ہے۔

اس میں ہم تیری تمام باتیں سنتے رہیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ طبیب کسی مریض سے کہتا ہے کہ آج ہم جیسا کہتے ہیں اس کو مان لو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ کل سے ہم تمھاری سنتے رہیں گے۔ بیمار کی بیماری مانع ہو رہی ہے اس لئے لذیذ اشیاء سے اس کو روکا جا رہا ہے۔ کل بیماری دفع ہو جائے تو زمانۂ بیماری کی تمام پابندیاں برخاست ہو جائینگی۔ پھر جو چاہو کھاؤ پیو۔ جہاں چاہو جاؤ۔ جو چاہو کرو۔ کوئی ممانعت نہیں۔ یہی حال دنیا کی پابندیوں اور آخرت کے انعام کا ہے۔

جنة عالية سننے سے بظاہر یہ خیال ہوتا تھا کہ باغ جنت بلند ہوگا یعنی اس کے درخت بہت اونچے اونچے ہوں گے تو ان کا ثمرہ حاصل کرنا دشوار ہو جائیگا اس لئے ارشاد ہوا :۔ قطوفها دانية ۔ اس کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے" اتنے جھکے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حال میں بھی رہو آسانی کیساتھ ان پر دسترس ہوسکیگی۔

ایام خالیۃ کی تفسیر حضرت قتادہ آیہ کریمہ کلوا واشربوا هنيئاً بما اسلفتم فى الايام الخالية کی تفسیر میں فرمایا کرتے :۔ ايامكم هذه ايام خالية فانية تؤدى الى ايام باقية فاعملوا فى هذه الايام وقدموا خيرا ان استطعتم ولا قوة الا بالله ۔ (عبد بن حمید) لوگو! تمہارے یہ دن خالی خولی ہیں۔ (کوئی روزہ دار ہے۔ کوئی فاقہ زدہ ہے۔ کوئی نیم فاقہ

کسی کو میسر تو ہے مگر اس کی مرضی کے مطابق نہیں) یہ دن ختم ہو جانے والے فانی ہیں۔ جو تم کو باقی رہنے والے دنوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا ان ہی فانی ایام میں عمل کئے جاؤ اور ہو سکے تو بھلے کام کر کر کے اس کا تحفہ بھیجتے رہو۔ اس کی قوت بھی اللہ سبحانہ کے ساتھ ہے۔" اسی کی توفیق سے اچھے کام ہو سکتے ہیں۔

ایک چرواہے کی خدا ترسی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اصحاب کے ساتھ نواحی مدینہ میں تفریحاً گئے ہوئے تھے۔ دسترخوان چُنا گیا تو ایک چرواہا بھی آگیا۔ اس نے سلام کیا۔ ابن عمرؓ نے اس کو بھی آجانے کے لئے فرمایا۔ اُس نے کہا میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا' ایسے پہاڑی مقام میں اور ایسی سخت گرمی میں روزہ رکھے ہوئے ہو؟ پھر بکریاں بھی چراتے ہو۔ چرواہے نے جواب دیا:۔ انی واللہ ابادر ایامی الخالیۃ۔ بخدا میں اپنے ان خالی دنوں کے گزرنے سے پہلے کچھ کر لینا چاہتا ہوں"۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے اس کی خدا ترسی کے امتحان کی غرض سے فرمایا۔ ان بکریوں میں سے اکا دکا بکری ہم کو فروخت کرتے ہو؟ ہم تمھیں اس کی قیمت بھی دیں گے اور افطار کے لئے گوشت بھی؟ اس نے کہا بکریاں میری نہیں ہیں۔ میرے آقا کی ہیں۔ میں اس کا غلام ہوں۔ آپ نے فرمایا' تمھارا آقا کیا کرلیگا اگر تم کہہ دو کہ ایک کو بھیڑیا کھا گیا۔ یہ سنتے ہی چرواہا سلسلۂ کلام قطع کرکے واپس ہوگیا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا جاتا اور کہتا۔ فاین اللہ۔ پھر اللہ کا خوف کہاں گیا؟ ابن عمرؓ پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اس کا کلمہ فاین اللہ بار بار دھراتے رہے۔ مدینہ منورہ لوٹے تو اس کے مولیٰ سے ان بکریوں اور اس غلام کو خرید لیا۔ پھر اس کو آزاد کرکے وہ تمام بکریاں اس کے حوالے کردیں"۔ (بیہقی)

ھنیئًا کی تفسیر | کلوا واشربوا ھنیئًا میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ
دنیا میں کھانا پینا کئی اعتبارات سے محدود تھا۔ مثلاً کسی چیز کو جی چاہتا تھا مگر وہ
دستیاب نہیں ہوتی تھی، یا بازار میں موجود تھی مگر دام میسر نہ تھے۔ اور اگر دام میسر بھی
تھے تو اس کا موسم نہ تھا۔ بازاروں میں مفقود تھی۔ دام بھی تھے اور بازار میں بھی
موجود تھی مگر مزاج کے موافق نہ تھی۔ پھر اس کو کھایا پیا تو اس کی ایک مقدار مقرر
تھی۔ زیادتی کی صورت میں ضرر کا اندیشہ تھا، بدہضمی ہو جاتی یا کسی مرض کا خوف
تھا۔ جنت کے مطعومات و مشروبات میں یہ حد بندی اور یہ شروط و قیود نہ رہیں گے
جو چیز جتنی چاہو اور جب چاہو، جہاں چاہو موجود اور میسر ہو گی کھاؤ، پیو کسی ضرر کا
اندیشہ نہیں۔ ھنیئًا کے صرف ایک کلمہ میں یہ تمام صورتیں داخل ہیں۔ اس سے
کلام پاک کی بلاغت ظاہر ہے۔ یہ بیان اہل ایمان کے انعام کا ہوا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ 69- 25
کِتٰبِیَهْ ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ 69- 26 69-27
مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ اور جس کو ملا اس کا 69-28 69-29
نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں، وہ کہیگا کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا، اور
مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے حساب میرا، کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی، کچھ کام

نہ آیا مجھ کو میرا مال' برباد ہوئی مجھ سے حکومت میری"

کفار کا اعمال نامہ

رہا دوسرا گروہ' جن کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا یہ کافروں کا گروہ ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کفار کے بائیں ہاتھ ان کے سینے میں سے پروکر پشت کی طرف نکالے جائیں گے اور نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ جس میں عمر بھر کی شرارتیں لکھی ہونگی ان کو پڑھ پڑھ کر واویلا مچائیں گے کہ اے کاش! میرا اعمال نامہ مجھے دیا ہی نہ جاتا' نہ اس کو پڑھنے کی نوبت آتی۔ نہ اس طرح ایسی فضیحت اور رسوائی ہوتی۔ کبھی کہیگا کہ میرا حساب کیا ہے؟ کاش! اس کا علم مجھے نہ کرایا جاتا۔ یہ کیا مصیبت ہے کہ ذرہ ذرہ کا حساب لیا جارہا ہے اور ایک ایک چیز کی پرسش ہورہی ہے۔ ہر امر پر فردِ جرم لگائی جارہی ہے اور سزا سنائی جاتی ہے۔ اب یہ تمام سزائیں مجھکو بھگتنی پڑینگی جن کے تصور سے کلیجہ منہ کو آرہا ہے کبھی شور مچائیگا کہ جس حالت میں اس وقت میں مبتلا ہوں یہی میرا خاتمہ کر دینے والی ہوتی نہ زندہ رہتا نہ یہ آفت اٹھانی پڑتی۔ دنیا میں ایک دفعہ موت آئی تھی۔ اور اس کے آتے ہی تمام دنیوی تکالیف اور آفات کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ اسی پر قصہ ختم کر دیا جاتا تو ٹھیک تھا۔ مگر دوبارہ زندہ کیا گیا۔ یہ زندگی کیا ہوئی کہ اس سے موت ہی بدرجہا بہتر تھی اب عمر بھر کے کئے ہوئے کاموں کا حساب دینا پڑ رہا ہے۔ شرمندگی اور خجالت جدا درپیش ہے

اور اولین و آخرین کے سامنے فضیحت و رسوائی علیحدہ ہے۔ پھر سزاؤں کا ایک نا متناہی سلسلہ ہے۔ کبھی اس کو پچھتاوا ہوگا کہ جو مال و دولت دنیا میں حاصل کی۔ حلال و حرام جائز و ناجائز کسی کا کچھ خیال نہ کیا جیسا بھی بن پڑا بے غل و غش سمیٹتا رہا۔ جوڑ جوڑ کر جمع کیا۔ مستحقین کو تک نہ دیا۔ خیال یہ تھا کہ یہ مال اڑے وقت کام آئیگا۔ آئی ہوئی آفت کچھ دے دلا کر ٹلا دیا جائیگا۔ مگر آج ایسا کٹھن وقت ہے کہ جو کچھ میسر تھا اس میں سے کوئی چیز بھی کچھ کام نہیں آرہی ہے۔ کبھی بولیگا دنیا میں میرا ایسا اقتدار تھا۔ میری ایسی حکومت تھی، اتنے میرے زیر حکم تھے۔ میں جیسا چاہتا تھا ان پر اپنی مرضی چلاتا تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ میرے حکم کے آگے چون و چرا کر سکے۔ آج کا حال عجب ہے کہ جو حکومت دنیا میں حاصل تھی وہ بالکلیہ سلب ہو چکی ہے۔ کسی پر میرا کچھ بھی قابو نہیں رہا۔ اب میں بالکل بے کس و بے بس ہوں۔ اس بے کسی و بے بسی میں میرا کوئی نہیں۔ غور کیجئے کیا وقت درپیش ہے اور ہم اس وقت کیسے خواب غفلت میں ہیں؟

ہر انسان کی ایک سلطنت حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ اما واللہ ما کلّ من دخل النار کان امیر قریۃ ولکن اللہ خلقھم وسلّطھم علی ابدانھم وامرھم بطاعتہ ونھاھم عن معصیتہ۔ (عبد بن حمید) ارشاد باری تعالیٰ وھلک عنّی سلطٰنیہ سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ کفار جو دوزخ میں جائیں گے

ان میں کا ہر شخص کسی شہر کا دنیا میں حاکم تھا۔ آج قیامت کے دن اس کی سلطنت اور
حکومت جاتی رہی۔ یہ مراد نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان سب کو پیدا کیا
اور ان کو اپنے بدن پر حکومت بخشی۔ (ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان، دل، دماغ
ان کے زیر حکم تھے۔) ان سب اعضاء و جوارح پر ان کو حکومت دی تھی۔ اور ان اعضاء و
جوارح کو حکم ہوا تھا کہ اس شخص کی اطاعت کیا کریں اور اس کی نافرمانی سے ان کو منع
فرمایا تھا۔" قیامت میں یہ حکومت بھی سلب کر لی جائیگی۔ جبھی تو یہ اعضاء اس کے خلاف
گواہی دیں گے کہ ہم کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگا رکھنے کے بجائے ایسے ایسے
معاصی اور گناہوں میں لگائے رکھا تھا۔ اسی بنا پر وہ اپنا رونا روتا رہیگا کہ دوسرے
ماتحتین جو اس سے برگشتہ ہوئے وہ رہے درکنار، خود اس کے اعضاء و جوارح بھی اسکے
کہنے میں نہیں رہے۔ یہ ایسی بے بسی اور بے کسی ہے کہ اس کا نمونہ کبھی دیکھا نہ گیا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ 69-30 69-31
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اس کو پکڑو پھر اس کو طوق ڈالو، 69-32
پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو پہنچادو، پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے
اس کو جکڑ دو۔"

کفار پر غضب الٰہی | رب العزت کا حکم، فرشتوں کو ہوگا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے

اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے اور اس طرح اس کو گھسیٹتے ہوئے آگ کے ڈھیر میں جھونک دیا جائے۔ اور ستر گز کی لمبی زنجیر میں اس کو کس دیا جائے۔ تاکہ وہ نہ کہیں بھاگ سکے اور نہ وہاں سے نکل سکے۔ مطلب یہ کہ جس عذاب میں وہ گرفتار ہے دم بھر کے لئے بھی اس سے گلو خلاصی کی کوئی صورت نہ رہے۔ یہ عذاب دائمی کس بنا پر ہے اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

ذراع کی تفسیر نوف شامی نے فرمایا:۔ الذراع سبعون باعا والباع ما بینك وبین مكة وهو یومئذ بالكوفة۔ (ابن المبارک، ہناد، عبد بن حمید، ابن المنذر) یعنی گز سے دنیا کا گز مراد نہیں بلکہ آخرت کا گز مراد ہے جہاں کا ایک ایک گز ستر بام کا ہوگا اور ایک ایک بام اتنا طویل ہوگا جتنی مسافت یہاں سے مکہ تک ہے۔ اس روایت کے بیان کرتے وقت وہ کوفہ میں تھے۔"

زنجیر کا عذاب حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ تسلك من دبره حتی تخرج من منخریه حتی لا یقوم علی رجلیه۔ (ابن ابی حاتم، بیہقی) اور یہ بھی فرمایا:۔ (ثم ینظمون فیها كما ینظم الجراد فی العود ثم یشوی (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) وہ زنجیر پیچھے سے پرو کر ناک کی نتھنیوں سے نکالی جائیگی تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا تک نہ ہو سکے۔ پھر ان سب کفار کو زنجیروں میں پرو دیا

جائیگا جیسے ٹڈیوں کو ایک کاڑی میں پروتے ہیں۔ پھر ان سب کو آگ پر بھونا جاتا
رہیگا"۔ یہ ایک نوع کا عذاب ہے جو دوزخیوں کو دیا جائے گا۔ اسی طرح بے حساب
انواع و اقسام کے عذاب میں کفار ابدالاباد تک پڑے رہیں گے۔ الامان والحفیظ۔
مجاہد اور کعب احبار سے بھی اسی مضمون کی روایات مروی ہیں۔ جن سے ایک دوسری
کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۙ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ 69-33
الْمِسْكِيْنِ ۙ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۙ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ 69-34 69-35
غِسْلِيْنٍ ۙ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۧ وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر 69-36 69-37

جو سب سے بڑا ہے اور تاکید نہ کرتا تھا نادار کے کھانے پر۔ اب کوئی نہیں آج اس کا دوست
اور نہ کچھ ملیگا کھانا مگر بھوڑوں کی ریزش، کوئی نہ کھائینگے اس کو مگر وہی گنہ گار"۔

کفار کے عذاب کا باعث کفار کا ٹھکانا دوزخ اس لئے ہوا کہ ان میں کا
ایک ایک شخص ایسا تھا جس کو خدائے عظیم پر یقین نہ تھا۔ بعض تو خدا ہی کے منکر تھے۔
بعض خدا کو تو مانتے تھے مگر اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرتے تھے۔ یہ بھی
خدا کا انکار ہوا۔ عقائد کا یہ حال تھا۔ رہا عمل۔ جب اللہ کی کتابوں اور اس کے
رسولوں کو تسلیم نہ کیا تو ان کی ہدایات اور احکام پر عمل کرنے کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

عبادات بھی بالائے طاق ہی رہے۔ اب رہ گئے بعض اخلاق حسنہ جو عقل کی رہنمائی سے معلوم ہو سکتے ہیں ان میں ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ کسی نادار کو کھانا ہی کھلا دینا۔ یہ بات ہر ذی عقل کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کسی نادار مسکین کو خود کھانا کھلانا تو رہا ایک طرف کسی اور کو اس جانب توجہ بھی نہ دلائے تو اس کو کیا خیال کیا جائے؟ آیا وہ انسان ہے؟ نہیں بلکہ انسان نما شیطان۔ بس اسی حقیقت کو ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سزا اس بنا پر ہے کہ نہ اس کو اللہ پر یقین اور نہ ہمدردی از مسکین۔ لہٰذا آج قیامت میں اس کا کوئی دوست دار نہیں اور نہ اس کے کھانے نہ کھانے کا کسی کو درد۔ وہ بھوک کے مارے چلاتا ہے کھانا کھانا۔ تو اکی کسی کو پرواہ تک نہ ہوگی۔ اب وہ مارے بھوک کے آس پاس کی چیزوں پر نظر دوڑاتا ہے تو اس کو کچھ دکھائی نہیں دیتا البتہ دوزخ میں جلنے سے دوزخیوں کے جسم پر جو آبلے اور پھوڑے ہو گئے ہیں اس کی بہتی ہوئی ریزش ہے کھانا چاہیں تو اس کو کھالیں۔ اس میں سڑے ہوئے گوشت کے لوتھڑے بھی ہوں گے اسی کو فروئے حلق کر لیں۔ ایسی شدت کی بھوک میں کوئی پرلے درجے کا خاطی اور گناہ گار ہی اس کو کھائے تو کھائے دوسرا اس کی طرف رُخ بھی نہ کرے۔

غسلین کی بدبُو حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: — لو ان دلواً من غسلین یھراق فی الدنیا لانتن باھل الدنیا (حاکم بروایت صحیحہ) اگر غسلین یعنی اہل دوزخ کے پھوڑوں کی ریزش کا ایک ڈول بھی زمین پر ڈال دیا جائے تو پورا روئے زمین اور اس کے تمام ساکنین میں اس کی بدبو پھیل جائے" یعنی اس کی تاب نہ لاسکیں۔

طالبان علوم عربیہ کیلئے ایک لطیفہ

"خَاطِئُوْنَ" کا رسم الخط قدیم زمانہ میں خاطون بغیر ہمزہ کے لکھا جاتا تھا یعنی جس طرح زمانہ قدیم میں حروف کے نقطے، اعراب، تشدید، مدّ وغیرہ لکھنے کا دستور نہ تھا۔ ہمزہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مگر اہل لسان، ان سب اشارات و علامات کے لکھے نہ ہونے کے باوجود اس کو آسانی کے ساتھ پڑھ لیا کرتے۔ جس طرح اردو، فارسی تحریرات کو آپ ہم بغیر اعراب کے صحیح طور پر پڑھ لیتے ہیں۔ جب اسلامی فتوحات میں وسعت ہوئی اور اسلام کا آفتاب جزیرۂ عرب سے باہر ممالک عجم میں بھی چمکنے لگا تو عجمی النسل مسلمان قرآن کریم پڑھنے لگے۔ ان میں سے ایک بے علم نے حضرت شاہ ولایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا۔ یا امیرالمومنین کیف ھذا الحرف لا یأکلہ الا الخاطون۔ کلّ واللہ یخطو۔ امیرالمومنین! آیۂ کریمہ لا یأکلہ الا الخاطون میں خاطون کیا کلمہ ہے؟ (جس کے معنی ہیں قدم اٹھانے والا) بخدا ہر شخص

قدم اٹھا کر چلتا ہے۔ پھر قدم اٹھا کر چلنے والوں کی غذا "غسلین" کیوں ہو گی؟ آپ نے اس پر تبسم فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا:۔ یا اعرابی لا یأکلہ الّا الخاطؤن اے اعرابی! آیۂ کریمہ میں خاطؤن ہے۔" یعنی غسلین خطا کاروں کی غذا ہو گی۔" یہ سن کر اعرابی نے شکریہ ادا کیا۔

قرآن کا تلفظ استاذ سے سیکھو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ما الخاطون انّما ھو الخاطؤنَ وما الصابون انّما ھو الصابؤنَ۔ (حاکم بروایت صحیح) خَاطُونَ نہیں ہے بلکہ وہ خَاطِؤن ہے اور صَابُون نہیں ہے بلکہ وہ صابِئُون ہے۔" یعنی یہ دونوں کلمات بغیر ہمزہ کے لکھے جاتے ہیں۔ قدیم رسم الخط میں ہمزہ لکھنے کا رواج نہ تھا اسی طرح نقطے اور اعراب (زبر، زیر، پیش) تشدید، جزم اور مدّ وغیرہ لکھا جانے کا دستور نہ تھا مگر اہل لسان اپنی زبان دانی کی بنا پر الفاظ و عبارات صحیح طریقہ پر پڑھ لیتے تھے۔ ان کو ان علامات اور اشارات کی احتیاج نہ تھی جس طرح قدیم فارسی میں بھی نقطے اور کاف کا مرکز نہیں لکھا جاتا تھا۔ آج تک فارسی اور اردو تحریرات پر اعراب لگانے کا طریقہ رائج نہیں ہے مگر زبان دانی کے سلیقہ کی بدولت ہر لکھا پڑھا شخص اس کو صحیح اعراب کے ساتھ بے تکلف پڑھ لیتا ہے۔ البتہ جو اشخاص اردو فارسی زبان سے واقف نہ ہوں ان سے غلطی ہو جاتی ہے اور ان کو سکھنا پڑتا ہے

اسی طرح قرآن کریم کو بھی اس کا صحیح تلفظ ماہر استاذ سے سیکھنا ضروری ہے۔ اسی لئے
حضرت ابن عباسؓ نے آگاہ فرمادیا کہ کتابت اگرچہ ایک صورت میں ہے جو بجائے خود
درست ہے مگر قراءت یعنی پڑھنے کا طریقہ ان دونوں کلمات میں خاطِئُونَ صابِئُونَ ہے۔

غلط پڑھنے کی مذمت حدیث شریف میں ہے:۔ رُبَّ قارئٍ القرآن
والقرآن یلعنہ۔ ایسے کتنے قرآن خواں ہیں جو اس کو پڑھتے رہتے تو ہیں اور
حال یہ ہے کہ قرآن اُن سے بیزار ہے۔" اس بیزاری کے وجوہ واسباب میں یہ بھی
داخل ہے کہ انسان اس کو استاذ سے سیکھے بغیر محض حرف شناسی کی بنا پر بطور خود پڑھ
لیا کرے۔ جس میں غلطیاں رہ جاتی ہیں اور ایسا غلط سلط پڑھنے سے معانی و مطالب
بدل جاتے بلکہ بگڑ جاتے ہیں اور اگر ایسی غلط قراءت نماز میں ہو تو نماز مکروہ بلکہ فاسد
ہو جاتی ہے۔ اور اگر خارج نماز ایسی تلاوت ہو تو انسان بجائے ثواب اور رحمت کا
مستحق ہونے کے عذاب اور لعنت کا متوجب قرار پاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان
قرآن نہ پڑھیں بلکہ یہ آگاہی مقصود ہے کہ پہلے صحیح قراءت سیکھیں اس کے بعد تلاوت
کرتے رہیں۔ صحیح تلفظ سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ کم از کم نماز میں جس قدر قراءت
فرض ہے اتنا سیکھنا فرض ہے۔ واللہ الموفق۔

69-38 فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ۙ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ
69-39-

رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا 69-40 69-41
بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ 69-42 69-43

پس مجھے قسم ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی جو تم نہیں دیکھتے' یقیناً یہ کہا ہے ایک پیغام پہنچانے والے کا جو باعزت ہے' اور نہیں ہے یہ کلام کسی شاعر کا' تم تھوڑا یقین کرتے ہو اور نہیں ہے یہ بات کسی کاہن (پریاں والے) کی' تم بہت کم دھیان کرتے ہو' یہ اتارا ہوا ہے تمام جہانوں کے رب کا۔"

تمہید پہلے رکوع میں قیامت کے بیان کے ساتھ اس کے چند نمونوں کو یاد دلایا گیا تھا جو اللہ کے پیغمبروں کو نہ ماننے کی بنا پر بصورت عذاب چکھائے گئے تھے۔ انہیں کا ہر ایک عذاب' قیامت کا نمونہ تھا۔ اور یہ محض اس لئے تھا کہ لوگوں نے پیغمبروں کو نہ مانا۔ اسی ضمن میں یہ جتا دیا گیا کہ اب اسی سلسلہ کے آخری پیغمبر' حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ التحیۃ والثنا مبعوث ہوئے ہیں ان کو مانو اور آپ کا اتباع کرو ورنہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو امم سابقہ کا ہوا۔ دوسرے رکوع میں اللہ سبحانہ کی آخری کتاب' قرآن کریم کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو آپ پر نازل ہو رہی ہے۔ اسکی نسبت عوام غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں' اس وجہ سے کہ خواص' جانتے بوجھتے ہوئے بھی ان کو بھٹکا رہے ہیں۔

قرآن کریم میں تغیر نہیں ہو سکتا

ارشاد ہو رہا ہے کہ قسم ہے ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو یعنی عالم شہادت، اور قسم ہے انکی بھی جنکو تم نہیں دیکھ سکتے یعنی عالم غیب۔ لیکن یہ دونوں عالم اور ان کی چیزیں گواہ ہیں اس امر پر کہ یہ قرآن مجید ایک باعزت رسول کی زبانی آیا ہے۔ رسول یعنی پیغمبر کا فریضہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مُرسل یعنی بھیجنے والے کا پیغام پہنچائے۔ مشہور بات ہے: ؏ بر رسولاں بلاغ باشد وبس ــ دئے ہوئے پیغام کو من وعن پہنچانا ہی رسول کا کام ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس میں کسی طرح کی کمی بیشی، یا کسی حرف کی تبدیلی و تغیر ہو۔ حرف تو کیا، ایک شوشہ بھی کم و بیش یا بدل نہیں سکتا۔ پیغام بھی اللہ سبحانہ کا جو عالم الغیب والشہادہ ہے۔ سمیع و بصیر اور علی کل شئیٍ قدیر ہے۔ پھر پیغام پہنچانے والے پیغمبر کی یہ شان کہ اللہ سبحانہ کے ہاں ان کی بڑی عزت ہے اور ان کو قرب خاص حاصل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس میں کمی بیشی یا تغیر و تبدل ہو۔

رسول کریم کی تفسیر

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں رسول کریم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہوں جو وحی الٰہی کو پیغمبروں کے پاس پہنچانے پر مامور تھے اور جب تک سلسلۂ رسالت و نبوت جاری رہا وہ اپنا فرض انجام دیتے رہے حضور رحمۃ للعالمین خاتم الانبیاء المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے پاس بھی آپ ہی حاضر ہوتے رہے، تا آنکہ پورا قرآن مجید پہنچا دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، نہ جبرئیلؑ کا اور نہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔
نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول کریم سے یہاں حضور اکرمؐ کی ذات اقدس مراد لی جائے
اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ آگے وماھو بقول شاعر اور وماھو
بقول کاھن ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ قرآن کریم کسی شاعر کا کلام نہیں اور نہ یہ کسی کاہن کی
باتیں ہیں۔" جبرئیل علیہ السلام چونکہ عالم غیب سے ہیں اس لئے لوگوں نے ان کو یہ
خطابات نہیں دئے۔ حضور اکرمؐ عالم شہادت میں رونق افروز ہونے کے باعث، کفار
آپ ہی سے جھگڑتے رہتے تھے۔ اور آپؐ ہی کو ان کی ساری ایذائیں سہنا پڑتا تھا
جس کی مناسبت سے آپ کے مدارج عالیہ میں روز افزوں ترقی ہی ترقی مضمر ہے۔
بہرحال قرآن کریم، پیغام الٰہی ہے جو حضرت جبرئیل اور حضرت نبی امی فداہ ابی وامی کی
زبانی سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچا ہے۔

قول شاعر کی تفسیر اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ
شاعرانہ کلام میں قافیہ پیمائی، اور وزن و بحر وغیرہ کی پابندی ہوتی ہے۔ پھر ایک مصرعہ
دوسرے سے کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ ورنہ شعر کا حُسن ہی خاک میں مل جاتا ہے۔ یہاں نہ کوئی
قافیہ ہے، نہ بحر، نہ مصرعہ، نہ بیت بازی، اور حُسن کلام کا یہ عالم ہے کہ سارے شعراء
انگشت بہ دنداں ہیں اور تمام فصحا و بلغاء عش عش کر رہے ہیں۔ جو کوئی سُنتا ہے

سر دھننے لگتا ہے' بلکہ بعضوں نے بے ساختہ کہہ دیا:۔ ماھذا کلام بشر۔ یہ کسی بشر کا کلام کبھی نہیں ہو سکتا۔" پھر شعراء اکثر تک بندی کرتے اور واہی تباہی باتیں نظم کر دیتے ہیں۔ کسی نے کچھ دیدیا تو تعریفوں کا پُل باندھ دیا' اور اگر خلاف امید ہاتھ روک لیا تو ایسی ہجو کی کہ اس کے تمام محاسن برطرف ہو گئے۔ قرآن کریم ایسے مضامین سے یکسر پاک ہے۔ کسی چیز میں کچھ بھلائی ہے تو اس کا قرار واقعی اظہار فرما دیا اور جو برائی ہو اس کو بھی ظاہر کئے بغیر نہ رہا۔ حسن و قبح کا موازنہ ایسے ٹھیک طور پر کیا کہ اس سے بہتر کوئی صداقت نہیں ہو سکتی۔ شراب اور جوے کی حقیقت یوں بیان فرمائی:۔ فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما۔ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کا نفع بھی ہے مگر نفع کے مقابلہ میں گناہ بہت بڑھا ہوا ہے۔" اشعار میں وہمی' خیالی باتیں ہوتی ہیں' مگر قرآن کریم حقائق سے پُر ہے۔ پھر کوئی دعویٰ بے دلیل نہیں اور دلیل محض منطقی اور فلسفی نہیں بلکہ حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہوتی ہے۔ گزرے ہوئے واقعات اور آئندہ درپیش ہونے والے حالات اس طرح بیان ہوتے ہیں جیسی ان کی حقیقت ہے' نہ زیادتی نہ کمی' نہ مبالغہ' نہ سخن پروری۔ لہذا یہ شاعرانہ کلام نہیں۔

قول کاھن کی تفسیر | نیز قرآن کریم میں کہانت کو بھی کوئی دخل نہیں ہے۔

کاہنوں کے پاس دیو پری کی آمد و رفت رہتی تھی۔ قوم جن کے نر کو دیو اور مادہ کو پری کہتے ہیں۔ کاہنوں پر ان کا تسلط رہتا تھا۔ اور یہ بعض جزئی معلومات جو ملائکہ سے چوری چھپی کے طریقہ پر سن پاتے کاہنوں تک مقفی مسجع عبارت میں پہنچا دیتے۔ پھر کاہن اس میں اپنے عقلی ڈھکوسلے شریک کرکے کاہ کا کوہ اور پر کا پرندہ بنا کر پیش کرتا اور اس کے دام وصول کرتا۔ اسی پر اس کی زندگی رہتی۔ پھر یہ باتیں اکثر جھوٹ اور غلط ثابت ہوتیں۔ عبارت اگرچہ مقفی و مسجع ہوتی مگر ایسی نہیں کہ دوسرا ایسی عبارت نہ بنا سکے۔ قرآن کریم کی شان کا کیا پوچھنا؟ مضامین ایسے عالی کہ کسی کا دماغ وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ عبارت ایسی شستہ فصیح و بلیغ کہ تمام جن و انس مل کر بھی اس کا جواب نہیں لا سکتے۔ واقعات اور حالات ایسے واقعی کہ کسی حرف پر انگشت نمائی کی گنجائش نہیں۔ احکام ایسے جچے تلے کہ اس کا متبادل کوئی حکم نہیں مل سکتا۔ اسرار و حکم ایسے دل نشیں کہ اگر ایک بار اس کا ذوق حاصل ہوا تو ساری دنیا سے بے نیاز ہو گیا۔ پھر لا اسئلکم علیہ من اجر کا اعلان شروع سے آخر تک ہوتا رہا۔ کہ اس تعلیم و تبلیغ پر کسی معاوضے اور صلے کا کوئی مطالبہ نہیں۔ دنیا و آخرت کے قیمتی خزانے بے دریغ لٹائے جا رہے ہیں۔ ولقد یسرنا القرآن فھل من مدکر۔ قرآن کو ہم نے آسان بنا دیا ہے، کیا کوئی ہے اس سے نصیحت لینے والا؟

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم، کاہن کا بھی کلام نہیں۔

قلیلا ما تؤمنون کی تفسیر پھر شاعروں کے کلام میں یقین کرنے اور ایمان لانے کے قابل مضامین کہاں ہوتے ہیں خصوصاً جاہلیت کے شعراء کا کلام خرافات اور گندہ مضامین سے بھرا ہوا ہے۔ بعض شعراء کہیں کہیں، مہمان نوازی، صلہ رحمی، بیت اللہ شریف کی خدمت، اور اس کے زائرین کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ کے متعلق کچھ لکھ دیتے ہیں جن کا تعلق اعمال صالحہ سے ہے۔ ایمان کے بغیر اعمال اور وہ بھی معدودے چند نجات کے لئے کافی نہیں۔ قلیلا ما تؤمنون میں اسی طرف اشارہ ہے۔ بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کا ہر مضمون اور ہر حصہ ایمانیات اور یقینی امور پر مشتمل ہے جبھی تو پورے کلام اللہ پر ایمان لانا شرط ایمان ہے۔ بعض باتوں پر ایمان ہو اور بعض پر نہ ہو تو یہ یؤمنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہوا اس کو ایمان نہیں کہا جاتا اور نہ ایسے جزئی ایمان کا شریعت میں کوئی اعتبار ہے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

قلیلا ما تذکرون کی تفسیر اسی طرح کاہنوں کی باتیں کہ وہ صرف ایک مقفی، مسجع کلام ہے وہ بھی اتنا معمولی کہ دوسرے بھی ایسا کہہ سکتے ہیں بلکہ اس سے بہتر، پھر غلط واقعات اور جھوٹی پیشین گوئیوں پر مشتمل، با ایں ہمہ اللہ سبحانہ کا ذکر

اس کی یاد دلانے والا کوئی مضمون نصیحت آمیز کوئی بیان اس میں کہیں نہیں ملتا اور
اگر کہیں کچھ ذکر بالفرض آ بھی گیا تو ایسے مجمل بلکہ مہمل طریقہ سے کہ اس کا وجود و
عدم یکساں۔ اسی وجہ سے کاہنوں کی نسبت ارشاد ہوا:۔ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ
تم بہت کم اس کا دھیان کرتے ہو"۔ بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کی کوئی سورت
بلکہ کوئی رکوع اور کوئی آیت اللہ سبحانہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ صراحۃً یا کنایۃً
یا اشارۃً ضمیر، اسم اشارہ، اسم موصول، الف لام عہدی، اسم ذات، یا صفات کسی
نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ بلکہ ایک ایک آیت میں کئی کئی جگہ اللہ سبحانہ کا ذکر
آرہا ہے۔ یاد الٰہی قدم قدم پر ایک ایک لمحہ دلائی جا رہی ہے۔ نصیحتیں اور نصیحتیں ہی
ہیں جبھی تو قرآن کریم کے اسمائے گرامی میں ذکر، تذکرۃ، ذکریٰ وغیرہ بھی اس کے
اسماء ہیں۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ قرآن کریم رب العالمین کا اتارا ہوا
کلام ہے۔ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ہے کوئی اس سے نصیحت لینے والا؟۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ 69-44
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ 69-45 69-46
وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ اور اگر بنا لاتا ہم پر کوئی بات، تو ہم پکڑ لیتے 69-47 69-48
اس کا داہنا ہاتھ، پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن، پھر تم میں کوئی ایسا نہیں جو

اس سے بچالے اور یہ نصیحت ہے ڈر والوں کو۔"

پیغمبر امین ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں کی رسالت معجزات و خوارق عادات وغیرہ دلائل سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے تبلیغ رسالت میں ادنیٰ قسم کی بھی کوئی فروگذاشت یا لغزش نہیں ہوسکتی۔ اللہ سبحانہ کی طرف سے ان کی عصمت کا بچاؤ ہوتا ہے۔ لہذا جو بات اللہ نے نہیں فرمائی وہ اس کو اللہ سبحانہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔ چنانچہ حضرت مسیح عرض کریں گے:۔ ما قلتُ لھم الا ما امرتنی بہ۔ پروردگار! میں نے ان سے نہیں کہا مگر وہی جس کا آپ نے مجھے حکم دے رکھا تھا۔" اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں خود اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے یہ صرف حکم ہے جو بھیجا گیا ہے۔" پیغمبر امین ہوتے ہیں۔ ان کی امانت داری مسلمہ ہوتی ہے۔

اعداء اللہ کو سزا پیغمبر تو اللہ سبحانہ کے محبین و محبوبین ہوتے ہیں۔ بفرض محال اگر وہ اپنی طرف سے باتیں کہتے پھریں تو نعوذ باللہ وہ دشمن ٹھہرے اور دشمن کو ایسا موقع کیوں دیں گے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیں گے اور ہاتھ بھی داہنا جس میں قوت زیادہ ہوتی ہے یعنی اس کا اختیار سلب کرلیں گے پھر اس کی رگ دل کاٹ ڈالیں گے

جس سے اس کی زندگی ختم ہو جائے پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے ہم کو روکنے اور اس کو بچانے والا نہ ہوگا۔

ایک مثال دنیا کے بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ کسی بڑے شخص کو کہیں کا حاکم بنا کر بھیجتے ہیں اگر وہ بادشاہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا رہے تو اس کو نہ صرف معزول کرتے بلکہ سخت سزا دیتے ہیں ورنہ احکام شاہی سے اعتماد اُٹھ جائے گا اور نظم ونسق درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جس کا تقرر فرمان یا جریدے کے ذریعہ عمل میں آیا ہو ورنہ اگر معمولی جاروب کش یا خاکروب ایسی باتیں بکتا پھرے تو اس کو سزا دینے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے کہ اس کی ایسی باتوں کو کون یاد رکھتا ہے اور اس سے ملک میں کیا خرابی پیدا ہو سکتی ہے یہی حال جھوٹے مدعیان رسالت کا ہے

وتین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الوتین ھو حبل القلب الذی فی الظھر۔ (فریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) "وتین" دل کی رگ ہے جو پیٹھ میں ہوتی ہے۔" یہ بھی فرمایا:۔ اذا احتضر الانسان اتاہ ملک الموت فغمز وتینہ فاذا انقطع الوتین خرج روحہ فھنالک حین یشخص بصرہ ویتبعہ روحہ (ابن ابی حاتم) جب انسان موت کے قریب ہوتا ہے تو ملک الموت اس کے ہاں آتے اور اس کے

دل کی رگ کو داب دیتے ہیں۔ جب یہ رگ کٹ جاتی ہے تو اس کی روح نکل جاتی ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور اس کی روح بھی اس کے پیچھے چلی جاتی ہے۔"

تذکرۃ للمتقین کی تفسیر وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ اور یہ قرآن نصیحت اور یاد دہی ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ مذکورہ نصیحتوں سے فائدہ اٹھانا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جن کو خدا کا خوف ہی نہیں وہ کیا فائدہ اٹھا سکیں گے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز ہی پر فرما دیا گیا ہے :۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ قرآن متقیوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔"

مجدد صاحبؒ کا قول حضرت شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں:۔ ان تلاوۃ القرآن سبب للترقی بعد فناء النفس وزوال العین والاثر فان التقوی لایتصور الا بعد الفناء وکون القرآن تذکرۃ مختص بالمتقی یدلّ علیہ لام التخصیص واما قبل الفناء فالتلاوۃ داخل فی عمل الابرار دون المقربین المتقین عن رذائل النفس (مظہری) نفس کے فنا ہو جانے اور اس کا اثر زائل ہو جانے کے بعد تلاوت قرآن سے متقیوں کے درجات ترقی کرنے لگتے ہیں نفس جبتک

فنا نہ ہو تقوی کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اور قرآن کا نصیحت اور یاد دہانی ہونا
متقی ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ تذکرۃ للمتقین کا لام اس کو تبلا رہا ہے۔ کیونکہ
لام تخصیص کے لئے آتا ہے۔ فنا نفس سے پہلے جس قدر تلاوت ہوگی اس کا شمار اعمال
ابرار میں ہوگا۔ مقربین جو رذائل نفس سے بچتے رہتے ہیں ان کے اعمال میں
اس وقت تک اس کا شمار نہ ہوگا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ تلاوت قرآن فائدے سے خالی نہیں۔ نفس کے
فنا ہونے سے پہلے جس قدر تلاوت ہوگی وہ ترقی درجات کے لئے نہیں بلکہ فنا نفس
کے لئے۔ اور یہ جب حاصل ہو جائے تو یہاں سے ترقی کا آغاز ہوگا۔ ابرار اور متقین
ہر دو گروہ کے لئے تلاوت مفید ہے مگر فائدے میں فرق ہے۔ حقیقی فائدہ
متقین کے لئے ہے جو رذائل نفسانی سے پاک ہو چکے ہیں۔ اور یہی قرآن کریم کا
مقصد اعلیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

69-49
69-50
69-51
69-52
وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ ع

اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں جھٹلانے والے بھی ہیں۔ اور وہ پچھتاوا ہے منکروں پر۔
اور وہ (قرآن) ہے یقین کرنے کے قابل۔ آپ بیان کیجئے پاکی اپنے رب کے نام کی

جو بڑا ہی باعظمت ہے"

مکذبین کی ندامت و حسرت قرآن کریم تمام بنی آدم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اور سارے بنی نوع انسانی کی ہدایت کا سامان اس میں موجود ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کو قبول کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ مگر ان ہی بنی نوع میں مکذبین منکرین بھی ہیں جو اس کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں وہ اس سے کیا خاک فائدہ اٹھا سکیں گے۔ دنیا میں وہ جو روش بھی پسند کریں ان کو اختیار ہے۔ تسلیم کرکے اسکی بتائی ہوئی راہ پر چلیں کہ اس میں ان کی نجات ہے' یا انکار کرکے اس کے خلاف راہ اختیار کریں۔ لیکن ان کو آخر کار حسرت رہ جائیگی کہ اے کاش! جو موقع اس کو تسلیم کرکے اس سے فائدہ اٹھانے کا تھا اس کو کھو دیا۔ اب حسرت ہی حسرت اور ندامت پر ندامت ہے۔ مگر آج نہ حسرت کارآمد ہے اور نہ ندامت۔ ایسی سراپا حسرت و ندامت کافروں کے لئے مختص ہے۔

کچھ حسرت اہل ایمان کو بھی رہیگی رہے اہل ایمان۔ گو نہ حسرت ان کو بھی رہیگی۔ چونکہ اس گروہ نے قرآن کریم کو اللہ کا کلام تسلیم کیا تھا۔ اس حد تک تو یہ فائدے میں رہے۔ لیکن اگر اس کو پڑھا ہوتا' اس کے معانی مطالب پر غور کیا ہوتا غور کے بعد اس پر عمل کیا ہوتا۔ اور مدارج عمل یکے بعد دیگرے طے کئے ہوتے تو جس طرح

تسلیم کی حد تک یہ فائدے میں رہے، علم و عرفان عمل و اخلاص کے بیشمار فوائد بھی شامل حال رہتے۔ جس سے جس قدر کوتاہی اس میں ہوئی اسیقدر حسرت کا منہ دیکھنا ہوگا۔ اور پچھتاوا ہی رہیگا۔

قوم سے خطاب برادران دین و ملت سے خصوصاً اور بنی نوع انسان سے عموماً یہی التجا و التماس ہے کہ موقع حاصل ہے اس کو غنیمت تصور کریں اور وقت فرصت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ جس سے جس قدر بن پڑے اس دولت بے بہا سے فائدہ اٹھائیں علم و عرفان کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ثواب کمانا ہے تو بڑا ظرف لیتے آئیں : ؎

جلوہ مفت است دیدنی دارد بدل و جاں خریدنی دارد

حق الیقین کی تفسیر "حق الیقین" کی تحقیق میں مفسرین کرام کے اقوال ہیں۔

عام طور پر حق اور یقین کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا گیا ہے، حق کی تعریف یہ ہے:۔

الثابت الذی لا یتطرق الیہ الریب۔ ایسی ثابت ہونے والی بات جس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہ ہو" اور یہی معنی یقین کے بھی ہیں۔ لہٰذا حق کی اضافت جو یقین کی طرف کی گئی ہے اس سے تاکید مقصود ہے۔

مفردات راغب میں ہے :۔ الیقین من صفۃ العلم فوق المعرفۃ والدرایۃ واخواتھا یقال علم الیقین وعین الیقین وحق الیقین

و بینھما فرق مذکور فی غیر ھذا الکتاب۔ "یقین" علم کی صفت ہے جس کا درجہ معرفت اور درایت وغیرہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین کہا جاتا ہے اور ہر ایک میں فرق ہے جو اور کتابوں میں مذکور ہے۔" یعنی یقینی چیز کو جاننا 'علم الیقین' اور اس کو دیکھنا اور مشاہدہ کرنا 'عین الیقین' اور اس کا ثبوت حق الیقین ہے۔

مفسرین کرام کی تحقیق امام رازی لکھتے ہیں:۔ حق لا بطلان فیہ و یقین لا ریب فیہ ثم اضیف احد الوصفین الی الآخر للتاکید (تفسیر کبیر) ایسا ثابت ہے کہ اس کا بطلان نہیں ہو سکتا اور ایسا یقین جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر ان دو اوصاف میں سے ایک کی اضافت دوسرے کی طرف تاکید کے لئے ہے۔" زمخشری کا کہنا ہے:۔ للیقین حق الیقین کقولک ھو العالم حق العالم وجد العالم و یراد بہ البلیغ الکامل فی شانہ (کشاف) حق الیقین سے ایسا یقین مراد ہے جیسا کہ ہونا چاہئے۔ جیسے تم کہتے ہو کہ فلاں عالم ہے جیسا ہونا چاہئے پختہ عالم۔ اس سے مراد درجۂ کمال کو پہنچا ہوا۔" قاشانی فرماتے ہیں:۔ محض الیقین و صرف الیقین ای خلاصۃ العالم و حقیقتہ من غیر شوب شیئ آخر۔ خالص یقین اور یقین ہی یقین، یعنی خالص علم اور حقیقی علم

جس میں اور کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔"

حضرت جنیدؒ کا ارشاد حضرت جنید بغدادی سید الطائفہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

حق الیقین ما یتحقق العبد بذلک معرفة بالحق وهو ان یشاهد الغیوب کما شاهد ته للمرئیات مشاهدة عیان ویحکم علی المغیبات ویخبر عنها بالصدق کما اخبر الصدیق الاکبر فی مشاهدة النبی علیه الصلاة والسلام حین سأله ماذا ابقیت لنفسك قال الله ورسوله۔ عوارف المعارف

وہ درجہ ہے جو معرفت حق کی بدولت بندے کے لئے ثابت و متحقق ہوتا ہے یعنی وہ عالم غیب کا مشاہدہ اسی طرح کھلے طور پر کرتا ہے جیسا کہ وہ عالم شہادت کی مرئی چیزوں کا مشاہدہ آنکھوں سے کرتا رہتا ہے وہ مغیبات پر حکم لگاتا اور انکی صحیح صحیح خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ (جب گھر میں جو کچھ تھا سب حاضر کر دیا تو) اپنے لئے کیا رکھا؟ تو عرض کیا کہ خدا اور اس کے رسول کو (گھر میں چھوڑ آیا ہوں)"۔ یہ مقام حق الیقین کا ہے۔ حق الیقین کی تفسیر سورۂ واقعہ کے اخیر میں بھی گزر چکی ہے۔

تسبیح کی اہمیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔ اب پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑا باعظمت ہے۔" یعنی اس کا نام ایسا باعظمت ہے کہ کوئی بات

اپنی طرف سے کہہ کر اس کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی تو اس کی ذات کی طرف ایسی چیزیں کیوں کر منسوب ہوسکتی ہیں۔ اس کا نام اور اس کی ذات ہر ایسی چیز سے منزہ ہے جو اس کی ربوبیت اور عظمت کے منافی ہو۔ نیز ایسا کلام پاک جو آپ پر اتار اگیا اس کا شکر ادا کرنے کے لئے اس کی تسبیح پڑھتے جائیے۔ اور اسی کی تسبیح و تقدیس میں ہمیشہ رطب اللسان رہئے۔ یہی تسبیح ملائکہ کرام کی عبادت ہے۔ حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں ملائکہ کرام نے اپنی یہی صفت پیش کی تھی۔ انسان تسبیح کی بدولت فرشتہ صفت ہوسکتا ہے۔

تسبیحات رکوع وسجود

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسبح باسم ربك العظيم قال اجعلوها فی رکوعکم ولما نزلت سبح اسم ربك الاعلیٰ قال اجعلوها فی سجودکم۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی) جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیۂ کریمہ فسبح باسم ربك العظيم نازل ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو رکوع میں رکھو۔ اور جب آیہ سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو سجدے میں رکھو۔"

تسبیح ودعا موجب ترقی

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:۔ انہ صلی مع رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی رکوعہ سبحان ربّی العظیم وفی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ وما اتی علیٰ آیۃ رحمۃ الا وقف وسأل وما اتی علیٰ آیۃ العذاب الا وقف وتعوذ (ترمذی' ابوداؤد' دارمی' ونسائی' ابن ماجہ الی قولہ الاعلیٰ) میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ اپنے رکوع میں سبحان ربّی العظیم اور اپنے سجدے میں سبحان ربّی الاعلیٰ فرمایا کرتے تھے۔ اگر آیت رحمت آتی تو آپ قدرے توقف فرما کر اس کی درخواست کرتے اور اگر کوئی آیت عذاب ہوتی تو وقف کر کے اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے۔" دوران قرأت نماز میں اس طرح دعا یا پناہ مانگنا چاہئے لیکن احناف کے پاس نفل نمازوں میں۔ دعا ہی عبادت کا مغز ہے۔ الدعا مخّ العبادہ تسبیح کیا تحمید دعا بنی آدم کی خصوصیت ہے اور دعا ہی سے انسان کو فرشتوں پر فضیلت ہے کیوں کہ اس سے مدارج انسانی میں ترقی ہوتی ہے۔ یہ نصیب فرشتوں کے کہاں ہیں۔

تسبیح کے مدارج

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا رکع احدکم فقال فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلاث مرات فقد تم رکوعہ وذلک ادناہ واذا سجد فقال فی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ ثلاث مرات فقد تم سجودہ وذلک ادناہ (ترمذی' ابوداؤد

ابن ماجہ) جب تم میں کا کوئی رکوع کرے اور اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار کہے تو اس کا رکوع پورا ہوگیا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور جب سجدہ کرے اور اپنے سجدے میں تین دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے تو اس کا سجدہ پوری طرح ادا ہوچکا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے"۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ پانچ دفعہ کہنا اوسط اور سات دفعہ کہنا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ حکم فرائض کا ہے۔ نماز پڑھانے والے امام کے لئے اس سے زیادہ کہنا قوم پر گرانی کا موجب ہے۔ ائمہ کو احتیاط کرنی چاہئے۔ گرانی کا سبب بننا مکروہ ہے۔

تسبیح کے احکام رکوع و سجود کی تسبیحات جمہور ائمہؒ کے نزدیک سنت ہیں اور ہمارے امام حضرت سیدنا امام احمدؓ حنبل کے نزدیک واجب ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف جو اوپر بیان ہوئی اس میں صیغۂ امر اجعلوا ارشاد ہوا ہے مگر جمہور ائمہ کرام نے صیغۂ امر کو ندب واستحباب پر محمول فرمایا ہے۔ اسی طرح تکبیرات انتقالیہ یعنی رکوع سے سجدے میں جاتے وقت یا سجدے سے اٹھتے وقت جو تکبیرات کہی جاتی ہیں وہ بھی ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک واجب اور دیگر ائمہ کے نزدیک سنت ہیں۔ واللہ اعلم۔

(سورۂ حاقہ کی تفسیر ختم ہوئی)

وللہ الحمد ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ

سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ ۔ چہار شنبہ